بات چیت

اپنے عیسائی دوست سے ایک مسلمان کی گفتگو

بدرو کیٹریگا / ڈیوڈ شینک

بات چیت

اپنے عیسائی دوست سے
ایک مسلمان کی گفتگو

bātchīt. apne īsāī dost se ek musalmān kī guftagū

A Muslim and a Christian in Dialogue

by Badru D. Kateregga & David W. Shenk

translated by D. Becht

(Urdu—Persian script)

© 2021 Good Word, New Delhi

ISBN 978-93-80941-29-5

original in English, © ACK Uzima Publishing House, Nairobi. Published and distributed under license by GWCS Pvt Ltd, New Delhi under the Mountain Peak imprint

www.mountainpeak.biz

Bible quotations are from UGV.
Koran quotations are from A. A. Maududi's translation.

for enquiries or to request more copies:
askandanswer786@gmail.com

بدرو کی اہلیہ فریدہ

اور

ڈیوڈ کی اہلیہ گریس

کے نام

پیش لفظ (1)

اللہ کی مرضی سے اِس دنیا میں مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں۔ بھارت کے مسلمانوں نے اکثریت اور دیگر اقلیتوں کے ساتھ امن سے رہنا سیکھا ہے۔ چودہ صدیوں سے بھارت میں رہتے ہوئے مسلمان اِس عظیم ملک کی ہر قسم کی اُتار چڑھاؤ میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ بھارت کی غیر مذہبی جمہوریت کے مطابق سب کو مذہبی آزادی حاصل ہے یہاں تک کہ اپنے مذہب کی فروغ دینے کی اجازت بھی ہے۔ حاضر دَور بحث کا نہیں بلکہ مکالمے اور گفتگو کا دَور ہے۔

بھارت میں اسلام کی راہنمائی دونوں شریعت اور طریقے کے زیرِ اثر ہے۔صوفی اُن کو کہتے ہیں جنہوں نے طریقہ اپنا کر اسلام کی باطنی زندگی

پر زور دیا ہے۔ نہ وہ شریعت کو نظرانداز کرتے، نہ ہی اُنہوں نے اسلام کے ظاہری اعمال تک اپنے آپ کو محدود رکھے ہیں۔ وہ باطنی زندگی کی خلوص پر زور دے کر تعلیم دیتے ہیں کہ دل کو بُری خواہشوں سے پاک رکھنا ضروری ہے۔صوفی حضرات فیاض دل تھے۔ وہ ایمان کی باتوں میں کسی بھی قسم کی مجبوری یا جبر کی مخالفت کرتے تھے۔ اُنہوں نے قرآن شریف کی اِس بات کو پورا کیا کہ "تمہارا مذہب تمہارے لئے اور ہمارا مذہب ہمارے لئے" جب وہ ہر قسم کے دوسرے ایمان رکھنے والوں کے ساتھ پُرامن طریقے سے رہتے رہے۔ اُنہوں نے نہ صرف دوسروں کو برداشت کیا بلکہ اُن کی عزت بھی کی۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکالمہ کرنے کے لئے دوسروں کی عزت کرنا نہایت ضروری ہے۔

مَیں مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے تعلقات پر دھیان دیتا رہتا ہوں۔ اِس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس وقت زیرِنظر کتاب کی اشد ضرورت ہے۔مصنف اپنے اپنے ایمان کے بنیادی خیالات کو بڑے عزت دار طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ وہ نہ تو اپنے

آپ کو بہتر سمجھتے ہیں نہ ایک دوسرے کو کمتر سمجھتے ہیں۔ در اصل وہ یہ دکھاتے ہیں کہ دین کے بارے میں بات چیت اُس وقت معنی خیز اور پھل دار ہے جب ہم اپنے ایمان میں پکے اور دوسروں کے لئے کھلے دل ہیں۔ جو بھی اِس کتاب کو غور سے پڑھے اُسے سمجھ آئے گی کہ دوسرے ایمان والوں کے ساتھ خالص بات چیت کرنے سے کوئی بھی اپنے ایمان میں بڑھ سکتا ہے۔ مَیں پبلشر کو مبارک باد کہتا ہوں کہ اُنہوں نے بھارتی ایڈشن تیار کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مذہب کے طالب علم اِس کتاب کے ذریعے بہت کچھ سیکھیں گے۔

پروفیسر اختر الواسع

بھارت کے لسانی اقلیتوں کے کمشنر، حکومتِ ہند
سابق صدر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز
ڈائرکٹر ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

پیش لفظ (2)

گو انسان نے علم، ٹکنالوجی اور معیارِ زندگی کے لحاظ سے کتنی ترقی کیوں نہ کی ہو، پھر بھی میرے خیال میں ہم ایک نئے دَور میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ ایک روحانی دَور ہے۔ اِس نئے دَور میں ہمیں مزید گہری گہری باتیں نظر آتی ہیں جب مختلف ایمان کے رسم و رواج ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اِس وقت ہمیں انسانی تہذیب میں بہت گوناگونی محسوس ہوتی ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ کیا یہ رنگارنگی اللہ کی تخلیق کا حصہ اور راز ہے یا انسانوں کا بنایا ہوا ہے؟ کثرت کی زندگی پانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم حلیمی سے گوناگونی کے راز کو قبول کریں۔ اَن گنت صدیوں کے دوران زبان اور رنگ وغیرہ میں بہت کثرت کا تنوع وجود

میں آیا ہے۔ ساتھ ساتھ ایمان کے رسم و رواج اور طریقوں کی تعداد بھی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ انسان کو مزید بہتری لانے کے لئے دنیا میں رکھا گیا ہے۔ ہم تنوع میں اتحاد ڈھونڈتے ہیں، نہ کہ یکسانیت میں۔ اگر سرسری طور سے بھی اِس دنیا پر نظر ڈالا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس کی خاصیت اور خوب صورتی اِس کی کثرت کی گوناگونی میں ہے۔ یہ بہت تقویت دینے والا خیال ہے کہ ہم سب اللہ کے مشن کے لئے اِس دنیا میں موجود ہیں۔

اِس لحاظ سے یہ کتاب وقت پر آ گیا ہے۔ مصنفوں نے جس حلیمی اور اچھے طریقے سے اپنے اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے، اِس سے دونوں ایمان کے ماننے والے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ بے شک اِن دو ایمانوں میں اختلافات ہیں۔ لیکن کئی ایک باتوں میں اتفاق بھی ہے۔ بہت بار لوگوں نے اپنے مذہب کی برتری بر قرار رکھ کر دوسرے مذہبوں کی ہر بات کو رد کیا ہے۔ لیکن اللہ ہمارے محدود ذہنوں اور دلوں سے بہت ہی عظیم ہے! جب ہم حلیمی سے یہ بات مان جائیں تب ہی پُرامن تبادلۂ خیالات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حد سے زیادہ

ضروری یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان میں رہ کر دوسروں پر اعتماد کریں اور اُن کی خدمت کرنے کے لئے رسمی دیواروں اور حدوں کو پار کریں۔ تب ہی اِس دکھی دنیا میں مثبت تبدیلیاں آئیں گی۔ اِس تقسیم شدہ دنیا میں اِس کی اشد ضرورت ہے کہ ہم دوسرے ایمان والوں کی سچ مچ سنیں اور با عزت طریقے سے اُنہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

اِس کتاب میں اِن ہی باتوں کی قدر کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ ایک نئی انسانیت تعمیر کرنے میں بہت بڑی کوشش ہے۔ چونکہ اسلام اور عیسائی دین دنیا کے سب سے بڑے مذاہب ہیں، اِس لئے وہ دنیا کے مشن میں حد سے زیادہ موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔مطلب ہے کہ وہ اپنے اپنے ایمان میں مضبوط رہ کر تعصب کو رد کریں اور دوسروں کے مختلف ہونے کی قدر کریں۔ ہر ایک کو دوسرے ایمان کے فوائد اور دولت کے بارے میں سیکھنا ہے۔ اور یہی اِس کتاب کی کامیاب کوشش ہے۔

فرائر تھامس کُنُّنکل ایس۔ جے۔

صدر اسلامک سٹڈیز اسوسی ایشن
پدم شری اعزاز حاصل کرنے والے

کتاب کا مقصد

کروڑوں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ دونوں کا فرض یہ ہے کہ وہ دوسروں میں تبلیغ کریں، مگر اکثر وہ شاذ و نادر ایک دوسرے کی گواہی سنتے ہیں۔ ماضی میں اُن کی آپس میں مخالفت نے دونوں کے بیچ ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی ہے جو اُنہیں جدا کرتی ہے۔ گو دونوں اللہ کی عبادت کرکے اُس کی قوم کے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاہم وہ شاذ و نادر ایک دوسرے کی سنتے ہیں۔

یہ کتاب ایک مسلمان اور ایک عیسائی کی بات چیت ہے جس کے دوران وہ اپنا ایمان پیش کرنے اور دوسرے کی بات سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ دونوں مصنفین قریبی دوست ہیں۔ ہم نے کینیاٹا یونیورسٹی

کالج کینیا میں شعبے فلسفہ اور مذاہب میں ایک ساتھ پڑھایا ہے۔ بدرو کیٹریگا مسلمان ہیں۔ اُنہوں نے اسلامی تاریخ اور علمِ الٰہیات سکھایا ہے۔ ڈیوڈ شینک عیسائی ہیں۔ اُنہوں نے عیسائی تاریخ اور علمِ الٰہیات سکھایا ہے۔ ہم نے مل کر بھی مذاہب کا مقابلہ کرنا سکھایا ہے۔ اکثر ہم یہ تعلیم بات چیت کی صورت میں دیتے تھے۔ طلبا کے سامنے ہم میں سے ہر ایک اپنا ایمان دوسرے کو پیش کیا کرتا تھا۔

ہم نے محسوس کیا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جب اِس طرح کی بات چیت ہوتی ہے تو یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے۔ ایسے مضمون چھیڑے جاتے ہیں جو گہرائی میں لے جاتے ہیں۔ انسانی حالت کے متعلق بنیادی سوال اُبھر آتے ہیں۔ نتیجے میں ایک دوسرے کی بات سنتے اور اپنی گواہی دیتے وقت درد محسوس ہوتا ہے۔ شاید ہم سب ایسے درد سے ڈرتے ہیں۔ شاید یہی ایک وجہ ہے کہ مسلمان اور عیسائی شاذ و نادر ہی ایمان سے متعلق ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔

تاہم ہم مصنف سمجھتے ہیں کہ گفتگو میں گواہی کا عنصر از حد ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اپنی اپنی قوم کی طرف سے ایک دوسرے سے بات کرنا سیکھیں۔ اِس کتاب میں ہم نے یہ کچھ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے گول مول باتوں سے دُور رہ کر کھل کر بات کی ہے۔ ہر ایک نے اپنا ایمان صاف صاف پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ہر ایک نے وہ کچھ پیش کیا ہے جو اُس کے خیال میں اللہ کی مرضی ہے۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں بدرو نے مسلمان کی حیثیت سے اپنا ایمان پیش کیا ہے جبکہ دوسرے حصے میں ڈیوڈ نے عیسائی کی حیثیت سے اپنا ایمان پیش کیا ہے۔

ہر ایک حصہ 12 ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کے ہر باب کے آخر میں عیسائی کا جواب ہے اور اِسی طرح دوسرے حصے کے ہر باب کے آخر میں مسلمان کا جواب ہے۔ کبھی کبھی جواب کے بعد دوسری طرف سے مزید وضاحت پیش کی گئی ہے۔

ہم دونوں نے اپنی اپنی طرف سے اور دوستانہ انداز میں اِس کتاب کو لکھا ہے۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اُس کے ذمے دار ہم خود ہی ہیں۔

کیونکہ جو اپنے ایمان کی گواہی دیتا ہے یہ اُس کے لئے ایک ذاتی بات ہے۔ تاہم ہم اُس ایمان کی بات کرتے ہیں جو ہماری قوم سے جُڑی ہوئی ہے۔ بدرو زیادہ تر قرآن شریف کی بنا پر اپنی سوچ پیش کرتے ہیں جبکہ ڈیوڈ نے اپنی تحریر کی بنیاد کتابِ مقدس کو رکھا ہے۔ بدروسُنّی ماحول کی طرف سے بات کرتے ہیں جبکہ ڈیوڈ پروٹسٹنٹ ماحول کی طرف سے اپنی سوچ پیش کرتے ہیں۔ اِس کے باوجود بھی دونوں نے پوری کوشش کی ہے کہ اپنے اپنے مذہب کا خیال کرتے ہوئے لکھیں۔

تعلیم اورعمل کے لحاظ سے اِس کتاب نے ہر بات تو نہیں چھیڑا، لیکن ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اِس میں عیسائیوں اورمسلمانوں کے بیچ مرکزی باتوں کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب دونوں مذہبوں کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ اُمید ہے کہ ہم نکتہ چینی اور پارٹی بازی سے دُور رہے ہیں۔ ہمارا اصول یہی رہا ہے کہ مجھے مت بتاؤ کہ مَیں کیا مانتا ہوں۔

یقیناً یہ کتاب اُن مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مفید ثابت ہو گی جو ایک دوسرے کے ایمان کی نوعیت کو سمجھنا چاہیں۔ ہماری بڑی خواہش یہ ہے کہ یہ کتاب عیسائیوں اور مسلمانوں کے بیچ بات چیت کے لئے استعمال کی جائے۔

ہم یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ کتاب اُن طلبا کے لئے مفید ہو گی، جو ہائی اسکول، مدرسوں اور عیسائی تھیولوجیکل سیمنریوں اور یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔

مسلمان عام طور پر دقت محسوس کرتے ہیں جب عیسائی اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اِسی طرح عیسائی مشکل ہی مان لیتے ہیں کہ مسلمان ہمارے ایمان کی صحیح تعلیم پیش کرتے ہیں۔ یہ کتاب مشترکہ طور سے ایک مسلمان اور ایک عیسائی کے ہاتھ سے لکھی گئی ہے۔ ہر ایک لفظ کے پیچھے یہ علم ہے کہ ہم ساتھ مل کر لکھ رہے ہیں۔ اِس کے پیشِ نظر ایمان داری، مہربانی اور حساسیت درکار ہوتی رہی ہے۔

بدرو ڈی کیٹریگا
ڈیوڈ ڈبلیو شینک

مسلمان کی دعا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣﴾
مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٤﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ
الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا۔

بے حد مہربان، نہایت رحم والا۔

مالک روز جزا کا۔

تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

بتلا ہم کو راہ سیدھی۔

راہ اُن لوگوں کی جن پر تُونے فضل فرمایا، جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

(سورہ فاتحہ)

یہ دعا روزانہ کم از کم 17 بار دہرانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

عیسائی کی دعا

Πάτερ ἡμῶν ὁ ἐν τοῖς οὐρανοῖς, ἁγιασθήτω τὸ ὄνομά σου. Ἐλθέτω ἡ βασιλεία σου. Γενηθήτω τὸ θέλημά σου, ὡς ἐν οὐρανῷ, καὶ ἐπὶ τῆς γῆς. Τὸν ἄρτον ἡμῶν τὸν ἐπιούσιον δὸς ἡμῖν σήμερον. Καὶ ἄφες ἡμῖν τὰ ὀφειλήματα ἡμῶν, ὡς καὶ ἡμεῖς ἀφίεμεν τοῖς ὀφειλέταις ἡμῶν. Καὶ μὴ εἰσενέγκῃς ἡμᾶς εἰς πειρασμόν, ἀλλὰ ῥῦσαι ἡμᾶς ἀπὸ τοῦ πονηροῦ. Ὅτι σοῦ ἐστιν ἡ βασιλεία καὶ ἡ δύναμις καὶ ἡ δόξα εἰς τοὺς αἰῶνας. Ἀμήν.

اے ہمارے آسمانی باپ، تیرا نام مُقدّس مانا جائے۔
تیری بادشاہی آئے۔
تیری مرضی جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے زمین پر بھی پوری ہو۔
ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے۔
ہمارے گناہوں کو معاف کر
جس طرح ہم نے اُنہیں معاف کیا جنہوں نے ہمارا گناہ کیا ہے۔
اور ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے بلکہ ہمیں ابلیس سے بچائے رکھ۔
(متی 6:9-13)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اپنے شاگردوں کو سکھائی۔ اِس کو اکثر دعائے ربانی کہا جاتا ہے۔

مسلمان کا ایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے

مسلمان کا عقیدہ

اسلام سے مراد اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ[a] کی مرضی اور احکام کے تحت رکھ کر چلنا ہے۔ اسلام کی سب سے پہلی اور عظیم تعلیم کلمۂ شہادت ہے: لَا إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ ٱللَّٰهِ۔ مطلب ہے کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہی کچھ پوری وفاداری اور ایمان کے ساتھ اقرار کرنے سے انسان حقیقی مسلمان بن جاتا ہے۔ یہی اقرار زندگی بھر ہر مسلمان کی راہنمائی کرتا رہتا ہے۔

---

[a] اللہ عربی لفظ ہے جس کا مشکل سے ٹھیک طرح سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ یہ بیان کرتا ہے کہ اللہ لاثانی اور ہر طرح سے کامل اور خوب صورت ہے۔

اسلام میں سب سے اہم بات اللہ کی وحدانیت ہے۔ قرآن شریف اسلام کی وحدانیت یوں پیش کرتا ہے،

> تُو کہہ وہ اللہ ایک ہے
> اللہ بے نیاز ہے
> نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا
> اور نہیں اُس کے جوڑ کا کوئی۔ (الاخلاص 112)

ہر مسلمان کو اللہ کے ایک ہونے پر ایمان رکھنا ہے۔ اللہ پر ایمان دینِ اسلام کی بنیاد ہے۔ اللہ نے خود فرمایا،

> اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم۔ کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے۔ (القصص 88:28)

ایک اور جگہ ہم پڑھتے ہیں،

> اللہ ہی کے لئے ہے بندگی خالص۔ (الزمر 3:39)

اللہ ایک ہے

کوئی بھی انسانی زبان اللہ کو ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتی، کیونکہ اُس کی مانند کوئی بھی نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اِس کے باوجود بھی ہم جانتے ہیں کہ وہ واحد ہے۔ اللہ، جو سچا اور برحق خدا ہے، وہ ہم سے دُور نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> ہم اُس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ۔
>
> (ق 16:50)

اللہ ایک ہے اور وہی خدا ہے۔ صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ اللہ نے فرمایا،

> مت پکڑو معبود دو۔ وہ معبود ایک ہی ہے، سو مجھ سے ڈرو۔
>
> (النحل 51:16)

دیگر تمام اشیا اور جان دار جو انسان جانتا یا نہیں جانتا وہ اللہ سے بنائے گئے ہیں۔ اللہ کا اُس کی مخلوقات سے مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں۔

> تُو کہہ، مَیں تو یہی ہوں ڈرسنا دینے والا حاکم۔ کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا۔ (ص 65:38)

اور دوسری جگہ پر اللہ فرماتا ہے،

> چلو اُسی پر جو اُترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے، اور نہ چلو اُس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے۔ (الاعراف 3:7)

غرض، چونکہ خدا واحد ہے اِس لئے اُس کے علاوہ کوئی اَور اُس کی قدرت اور اختیار کے ایک ذرے کا بھی ساجھے دار نہیں ہو سکتا۔ اللہ ہی الوہیت کی صفات رکھتا ہے۔ چونکہ اللہ واحد ہے، اِس لئے اُس کے ساتھ کسی اَور کو شریک کرنا گناہ اور کُفر ہے۔ اسلام صاف صاف فرماتا ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا، باپ، بہن، بیوی یا بیٹی نہیں ہے۔ واحد ہونے کے باعث اللہ کسی اَور چیز یا جان دار کی مانند نہیں ہے۔ اُس

کے اوصاف اورفطرت نمایاں طور سے لاثانی ہیں۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ خالق ہے

مسلمان کو ماننا ہے کہ اللہ تمام کائنات کا خالق ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر۔ (الانعام 73:6)

ساتھ ہی وہ فرماتا ہے،

> بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین چھ دن میں، پھر قرار پکڑا عرش پر۔ اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اُس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا، اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے تابع دار اپنے حکم کے۔ سن لو اُسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم

> فرمانا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔ (الاعراف 54:7)

یہ آیتیں ہم کو یاد دلاتی ہیں کہ کوئی بھی چیز اپنے آپ سے زندہ نہیں ہوسکتی۔ قادرِمطلق خدا ہی نے ہر ایک چیز کو خلق کیا ہے بشمول زمین اور آسمان کے۔

اللہ نہ صرف اپنی مخلوقات کو پیدا کرکے یوں ہی چھوڑ دیتا ہے بلکہ وہ نئی شکل و صورتیں بنانے اور تشکیل دینے میں لگا رہتا ہے۔ جو کچھ اُس نے خلق کیا اُسے وہ اپنی مرضی سے برقرار رکھتا اور سنبھالتا ہے۔

> وہ اللہ ہے بنانے والا، نکال کھڑا کرنے والا، صورت کھینچنے والا۔ اُسی کے ہیں سب نام خاصے (عمدہ)۔ (الحشر 24:59)

وہ پوری کائنات کا سنبھالنے والا ہے۔

اللہ نے انسان کو بنا کر اپنی مہربانی سے اُس کی تمام ضروریات پوری کیں۔ انسان کی تخلیق کے بارے میں قرآن فرماتا ہے،

وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے، پھر پانی کی بوند سے، پھر خون جمے ہوئے سے۔ پھر تم کو نکالتا ہے بچہ، پھر جب تک کہ پہنچو اپنے پورے زور کو، پھر جب تک کہ ہو جاؤ بوڑھے۔ اور کوئی تم میں ایسا ہے کہ مر جاتا ہے پہلے اِس سے اور جب تک کہ پہنچو لکھے وعدے کو اور تاکہ تم سوچو۔ (الغافر40:67-68)

اللہ نے اُن تمام چیزوں کو خلق کیا جو ہمیں نظر آتی ہیں اور جو ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ اُس نے اپنا الٰہی حکم صادر فرمایا، "ہو جا" تو "وہ ہو گیا۔" اِسی طرح اُس نے کائنات اور اُس میں رہنے والی تمام اشیا کو خلق کیا۔

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ نے تمام کائنات اور جاندار کو بنانے کے بعد آرام نہیں کیا۔ اُس کو انسانوں اور جانوروں کی طرح آرام کی ضرورت نہیں۔ اللہ مکمل طور پر زندگی ہے جو کہ اِس طرح کی ضرورتوں سے آزاد ہے۔ قرآن فرماتا ہے،

> اللہ—اُس کے سوا کوئی معبود نہیں—زندہ ہے، سب کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑ سکتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (البقرہ 255:2)

اللہ کا کام خلق کرنے، زندگی بخشنے اور زندگی لینے،سنبھالنے اور تمام مخلوقات پر پورا قابو رکھنے میں دکھائی دیتا ہے۔

اللہ کے نام

اللہ برتر و بالا حقیقت ہے۔ اُس نے انسان پر 99 خوب صورت ناموں کو ظاہر کیا ہے جو اُس کے لا محدود عظمت اور وحدت بیان کرتے ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور اللہ کے لئے ہیں سب نام اچھے۔ سو اُس کو پکارو وہی نام کہہ کر اور چھوڑ دو اُن کو جو کج راہ چلتے ہیں اُس کے ناموں میں۔ وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کئے کا۔ (الاعراف 180:7)

ایک حدیث[a] میں ابو ہریرہ کے مطابق پیغمبرِ اسلام نے فرمایا کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں، اور جو کوئی اُن کی تلاوت کرے وہ جنت میں داخل ہو گا۔[b]

یہ نام اللہ کو تقسیم نہیں کرتے، کیونکہ اللہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ نام اُس کی کچھ صفتیں بیان کرتے ہیں۔ مسلمان اِن ناموں کو اللہ کی تعظیم میں حمد و ثنا اور نماز کرتے وقت استعمال کرتے ہیں۔ ایک التجا کرنے والا اپنی ضرورت کے مطابق اللہ کے مناسب نام کو لے کر اُس سے ہمیشہ دعا کر سکتا ہے۔ یہاں پر ہم کچھ ناموں کا بیان کریں گے، جیسے الرحمٰن (مہربان کرنے والا)، الرحیم (رحم کرنے والا)، یا الجلیل (جاہ و جلال رکھنے والا)۔

[a] حدیث کا مطلب نبی ﷺ کے روایات ہے۔

[b] *Sahih Muslim*, transl. by Abdul Hameed Siddiqui, Vol. IV (Lahore, 1975), 1409.

اللہ رحم کرنے والا ہے

ایک[a] کو چھوڑ تمام سورہ 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' سے شروع ہوتے ہیں۔ اِس کے معنی ہیں 'شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔' بسم اللہ وہ دعا ہے جو ہر مسلمان کو ہر کام کے شروع میں کہنا ہے۔ یہ ہر مسلمان کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ اللہ ہمیشہ اپنے تام مخلوقات پر مہربان ہے۔ قرآن کے بہت سے آیات اللہ کی انسان سے محبت اور اُس کا اُس پر رحم بیان کرتی ہیں۔

قرآن شریف فرماتا ہے،

> اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اُس میں چین پکڑو اور دن بنایا دیکھنے کا۔ اللہ تو فضل والا ہے لوگوں پر، اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔
>
> (الغافر 61:40)

دوسری آیت یہ بات جاری رکھتی ہے،

---

[a] سورۂ توبہ (سورہ 9)

> اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت۔ اور صورت بنائی تمہاری، تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری۔ اور روزی دی تم کو ستھری چیزوں سے۔ وہ اللہ ہے رب تمہارا۔ سو بڑی برکت ہے اللہ کی، جو رب ہے سارے جہان کا۔ (الغافر 64:40)

اللہ انسان پر رحم کرتا ہے، کیونکہ وہ مہربان اور بھلا ہے۔ اور وہ ہر کسی پر رحم کرتا ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، ایمان دار ہو یا غیر ایمان دار، تابع دار ہو یا غیر تابع دار، کالا ہو یا گورا۔

قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔ اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔ بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے، ناشکر۔ (ابراہیم 34:14)

اللہ کا اپنی مخلوقات پر رحم بے انتہا ہے۔ نہ ہم انسان اُس کی عنایتوں کو گن سکتے، نہ ہی اُن کا تصور کر سکتے ہیں۔ وہ انسان کو کھانے پینے کی

چیزیں، آمد و رفت کے ذرائع اور زندگی کی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ اور وہ ہمارے برتاؤ کا لحاظ کئے بغیر ہی ہمیں سب کچھ مہیا کرتا ہے۔ اللہ نے انسان کو بطورِ اشرف المخلوقات پیدا کرکے اُسے روحانی اور جسمانی ترقی کے لئے درکار سب چیزیں مہیا کیں۔ اللہ نے یہ ساری چیزیں اپنے رحم کی خاطر مہیا کیں۔ اللہ رحیم و کریم ہے۔ اُس کے رحم کے وسیلے سے لوگ سلامتی، سکون، امید، اور اعتماد حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کا رحم حقیقی اور عملی ہے۔ وہ انسانی تجربے کے تمام شعبوں میں سرایت کرتا ہے۔

اِس کے علاوہ اللہ نے اُن کو اپنی خاص محبت سے نوازنے کا وعدہ کیا جو اُس کی مرضی پر چلتے ہیں۔ یہ محبت اُن سب سے ہے جو اُس کی مرضی کی اطاعت کرتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے،

> تُو کہہ، اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (آل عمران 31:3)

اللہ قادرِ مطلق ہے

اللہ نہ صرف مہربان اور رحیم ہے بلکہ وہ قادرِ مطلق بھی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی اَور انسان کو نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ ہی انسان کی تمام ضروریات کو پورا کر سکتا ہے، وہی زندگی بخش کر واپس لے سکتا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔ (البقرہ 107:2)

اللہ ہی کو آسمان و زمین اور تمام مخلوقات پر حکومت کرنے کا اختیار ہے۔ کوئی بھی انسان یا چیز اللہ کے عظیم اختیار اور قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ تمام کائنات کا اعلیٰ حاکم اور خالق ہے۔ قرآن اللہ کی قدرت کو یوں بیان کرتا ہے،

> تُو کہہ، یا اللہ، مالک سلطنت کے۔ تُو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے۔ تیرے ہاتھ ہے سب خوبی۔ بے شک تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران 26:3)

اِس آیت میں اللہ دنیا کے اختیار والوں کو تنبیہ دیتا ہے۔ اُنہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ ہی اپنی مرضی سے بادشاہی بخشتا اور بادشاہی چھین بھی لیتا ہے۔ وہ قادر ہے، کیونکہ تمام قوتیں اُسی کی طرف سے آتی ہیں۔ وہ قدرت کا مالک ہے۔

> سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا۔ کوئی حاکم نہیں اُس کے سوائے، مالک اُس عزت کے تخت کا۔ اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اُس کے پاس سو اُس کا حساب ہے اُس کے رب

> کے نزدیک۔ بے شک بھلا نہ ہو گا منکروں کا۔
>
> (المؤمنون 23:116-117)

یہ آیت ہمیں اللہ تعالیٰ کے قدرت کی فطرت بیان کرتی ہے۔ وہ از حد مہیب خدا، نہایت اعلیٰ اور مالک ہے۔ جب انسان کی زندگی میں ایسی باتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں جو وہ نہیں سمجھ سکتا تو قادرِ مطلق کی فطرت پر پکا ایمان اُس کی مدد کرسکتا ہے۔ اِس بنا پر وہ جانے گا کہ خدا ہی اِن باتوں کے پیچھے ہے۔

اللہ تعالیٰ اختیار کا مالک ہے، اِس پر بحث ممکن ہی نہیں۔ صرف وہی فرماں برداری ملنے کا حق دار ہے۔ اور اُسے یہ فرماں برداری ملتی بھی ہے۔ وہ سب سے عظیم ہے، اِس لئے اُس کے سامنے تمام مخلوقات کو اُس کی تعظیم میں سرنگوں ہونا ہے۔ گو وہ صاحبِ اختیار ہے، تو بھی وہ پاک، ہاں تمام شر اور گناہوں سے پاک ہے۔

اللہ عالمِ کُل ہے

جس طرح اَللہ قادرِ مطلق، رحیم اور کریم النفس ہے اُسی طرح وہ صاحبِ حکمت اور عالمِ کُل بھی ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اورتم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے
> جیوں کے بھید۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی
> ہے بھید جاننے والا خبردار۔ (الملک 67:13-14)

مسلمان اِن اوصاف کو سنجیدگی سے مانتے ہیں۔ مثلاً پوشیدگی میں گناہ نہیں کرنا چاہیئے یہ سوچتے ہوئے کہ کسی کو معلوم نہیں۔ اللہ کے سامنے ہر چیز چاہے ظاہر ہو یا باطنی، دیکھی ہو یا اَن دیکھی سب کچھ اُس کے سامنے عیاں ہے۔ کوئی بھی بات اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ انسان کے ہر پوشیدہ ارادے اور خواہش سے واقف ہے۔ قرآن شریف اللہ کی حکمت اور علم پر بہت بار زور دیتا ہے۔ مثلاً

> وہی ہے حکمتوں والا، سب کچھ جاننے والا۔ ... غائب
> نہیں ہو سکتا اُس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں میں، اور نہ
> زمین میں۔ اور کوئی چیز نہیں اِس سے چھوٹی اور نہ اِس
> سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں۔ (سبا 34:1، 3)

> اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے۔ اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اُس کو۔ اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں، اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ سب کتابِ مبیّن میں ہے۔
>
> (الانعام 59:6)

اللہ ہر ایک بات سے واقف ہے جو حال میں ہو رہی ہے اور مستقبل میں ہونے والی ہے۔ وہ دُور اور نزدیک کی تمام باتوں سے واقف ہے اور جو آسمان اور زمین کی باتیں ہیں اُن سے بھی۔ اُس کا علم بے حد اور بے قید ہے۔ وہ انسان کو اپنے پیغمبروں اور اپنے کلام کے ذریعے ہدایت دیتا، سکھاتا اور سمجھاتا ہے۔ وہ فطرت کے قواعد اور پوری کائنات میں اپنے عجیب و غریب نشانات انسان پر بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ صاحبِ حکمت اور عالمِ کُل ہے۔

اللہ ابدی ہے

اِس پر زور دیا گیا ہے کہ ہم مانیں کہ اللہ ابدی ہے۔مطلب ہے کہ اللہ کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ وہ ازل سے تھا، ابد تک رہے گا۔ اُس کے بعد اور اُس سے پہلے کوئی نہیں ہے۔ جب کچھ بھی نہیں تھا وہ تھا۔ اور جب کچھ بھی نہیں ہو گا تب بھی وہ رہے گا۔ قرآن شریف بیان کرتا ہے،

> وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا، اور باہر اور اندر۔ اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (الحدید 3:57)

ابدی خدا وقت، خلا، مقام یا حالات سے محدود نہیں ہے۔ چونکہ وہ وقت کے پار ہے اِس لئے وہ بڑھاپے کی طرف نہیں جا سکتا۔ اللہ ازلی اور ابدی ہے جبکہ دیگر تمام اشیا کا خاتمہ ہو گا۔ اللہ ہی ہمیشہ تک قائم رہے گا۔ قرآن شریف تعلیم دیتا ہے،

> جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گا
> منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا۔
>
> (الرحمان 55:26-27)

یہ تعلیم انسان کو یاد دلاتی ہے کہ ہم دنیا میں مہمان ہی ہیں۔ اللہ ہی ابد تک قائم رہنے والا ہے۔ دیگر تام مخلوق آنے جانے والی ہے۔

انسان کے عظیم الشان ایجادات جیسے خلائی جہاز اور فلک بوس عمارتیں، یہ سب اللہ کی نظر میں کچھ نہیں ہے۔ تمام عظیم سلطنتیں اور انسان کے تمام کام سب فنا ہو جائیں گے۔ قدرت کے تمام عجوبے جیسے بڑے بڑے پہاڑ، وادیاں، سمندر، تارے، سیارے، چاند اور سورج سب یکساں طور سے اللہ کے مقررہ وقت پر تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ صرف اللہ ہی جو تمام کائنات کا عظیم مالک اور خالق ہے ہمیشہ تک رہے گا۔

خلاصہ

غرض قرآن شریف ہمیں سکھاتا ہے کہ اللہ واحد ہے۔ اُس کا نہ کوئی بیٹا اور نہ کوئی ساتھی ہے۔ کائنات اور جو کچھ اُس میں ہے اُن سب کا خالق اور مالک اللہ ہی ہے۔ وہ ترس کھانے والا اور رحم دل ہے، اور وہ تمام مخلوقات پر رحم کرتا ہے۔ وہ عادل ہے۔ وہ سب کو ہدایت دینے والا اور ہر چیز کا محافظ ہے۔ وہ ازلی اور ابدی ہے۔ وہ عالمِ کُل اور صاحبِ حکمت ہے۔ وہ محبت رکھنے والا، سب ضروریات پوری کرنے والا ہے۔مخلوقات پر اُس کا رحم بے حد ہے۔ وہ پاک اور مقدس ہے۔ وہ گناہ یا بُرائی نہیں کرسکتا۔ وہ آزاد اور اپنی ذات میں بے مثال ہے۔

لوگ اللہ کے بارے میں ساری باتیں نہیں جان سکتے ہیں، کیونکہ وہ بے مثال ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے 99 نام بھی اُسے مکمل طور پر بیان نہیں کرتے۔ پھر بھی مسلمان غور و فکر، مراقبے، کلمے کی دہرائی اور اللہ کی مرضی اور احکامات کے طابع رہنے سے اُس کا اقرار کرسکتا ہے۔

عیسائی کا جواب

اللہ کا نام اسلام سے پہلے مستعمل تھا، اور خاص کر عرب ممالک میں دورِ اسلام سے پہلے ہی آج تک بے شمار عیسائی یہی نام استعمال کرتے آئے ہیں۔ غرض، عیسائی اور مسلمان دونوں ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ دونوں ہی کا عقیدہ ہے کہ ایک حقیقی خدا ہے جو عادل ہے اور مافوق الفطرت ہے۔ وہی آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے۔ عیسائی کی حیثیت سے مَیں بھی اللہ تعالیٰ کے تمام 99 ناموں کو تسلیم کرتا ہوں۔ نام "اللہ" عیسائیوں سے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نبی حضرت ابراہیمؑ اللہ کو "ایل" یا "الوہیم" سے جانتے تھے جو کہ عبرانی طرز کا عربی نام اللہ ہے۔ کیا عجب کہ قرآن شریف اِس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ عیسائی مسلمانوں کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمان اِس پر زور دیتے ہیں کہ اللہ مافوق الفطرت اور قادرِ مطلق ہے۔ یہ ایک بات ہے جو عیسائیوں کو بھی نہیں بھولنا چاہیئے۔

گو مسلمان اور عیسائی دونوں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو بھی فرق صاف نظر آتا ہے۔ قرآن شریف اللہ کے احکام اور اُس کے ناموں پر

زور دیتا ہے جبکہ کتابِ مقدّس اِس پر زور دیتی ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کیا ہے۔

کتابِ مقدّس یہ فرماتی ہے کہ اللہ نے اپنی مرضی سے خود اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کیا ہے۔ یہ خدا جو انسان سے رشتہ قائم کرتا ہے یَہوِہ کہلاتا ہے، انسان سے عہد باندھنے والا خدا جس کا نام "مَیں ہوں" ہے۔ وہ ہر وقت ہر انسان کو بلاتا ہے تاکہ اُس سے عہد باندھے۔ یہ خدا نہ صرف اپنی مرضی، احکام اور اپنے نام انسان پر ظاہر کرتا ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

کتابِ مقدّس کے مطابق یَہوِہ نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے سے انسان سے اپنی کامل محبت کا اظہار کیا۔ کتابِ مقدّس فرماتی ہے کہ خدا نے دکھ سہہ کر اور کفارہ دے کر اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ جب ہم غم کھاتے ہیں تو وہ بھی اپنی محبت کے باعث غمگین ہوتا ہے۔ جب ہمیں دکھ ہے تو وہ بھی دکھی ہوتا ہے۔ ہاں، ہمارے گناہوں کو دیکھ کر اُسے دکھ ہوتا ہے۔ وہ ہم سے پوری طرح سے محبت رکھتا ہے۔

عیسائی سمجھتے ہیں کہ اللہ عہد کے ذریعے ہمارے ساتھ رشتہ باندھنا چاہتا ہے اور اِس کے لئے ہمیں دعوت دیتا ہے۔ خدا ہم کو دعوت دیتا ہے کہ مجھے جانو اور میرے ساتھ رفاقت رکھو، وہی خدا جس کے 99 نام مسلمان تعظیماً دہراتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تخلیق

مسلمان کا عقیدہ

> بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان
> اور زمین چھ دن میں۔ (الاعراف 54:7) [a]

قرآن شریف اور احادیث ظاہر کرتی ہیں کہ مسلمان کو کس طرح تخلیق کے عجیب کاموں کی حمد و ستائش کرنی ہے۔

---

[a] قرآن شریف کے مسلم مفسرین سمجھتے ہیں کہ چھ دن کا مجازی مطلب ہے۔ اللہ کی نظر میں ایک دن 1,000 سال سے لے کر 50,000 سال تک ہو سکتا ہے (دیکھئے سورہ المعارج 40:70)۔ پیدائش کے یہ دن دراصل چھ بہت لمبے عرصے ہیں۔

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اللہ تمام کائنات کا خالق ہے۔لیکن انسان اور قدرت کا خالق سے کیا تعلق ہے؟

زمین اور کائنات اللہ کے ذریعے قدم بہ قدم اورسلسلہ وارخلق کی گئی ہیں۔ قرآن شریف کائنات کی تخلیق کو یوں بیان کرتی ہے،

> اور کیا نہیں دیکھا اِن منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے۔ پھر ہم نے اُن کو کھول دیا اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے۔ پھر کیا یقین نہیں کرتے؟ اور رکھ دیئے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ کبھی اُن کو لے کر جھک پڑے۔ اور رکھیں اُس میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پائیں۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ اور وہ آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں۔ (الانبیا 21:30-33)

قرآن شریف کی یہ آیتیں ترتیب شدہ دنیا کی نشو و نما کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآن شریف آگے بیان کرتا ہے کہ اللہ نے آسمان و زمین اور اُس کے درمیان جو بھی کچھ ہے اُنہیں چھ میعاد میں کسی تھکاوٹ کے بغیر بنایا (ق 38:50)۔ سو اللہ نے کائنات اور زمین کو ترتیب وار قدم بہ قدم بنایا۔

ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ تمام زندگی پانی میں شروع ہوئی۔ جدید سائنس اِس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ اِس کے علاوہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ترتیب دی،

> اور اندھیری کی رات اُس کی اور کھول نکالی اُس کی دھوپ۔ اور زمین کو اُس کے پیچھے صاف بچھا دیا۔ باہر نکالا زمین سے اُس کا پانی اور چارا۔ اور پہاڑوں کو قائم کر دیا۔ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپائیوں کے۔ (النازعات 79:29-33)

اللہ نہ صرف تمام کائنات کا خالق ہے بلکہ اُس نے اُس کو ترتیب اور قابلِ سمجھ طریقے سے خلق کیا۔ غالباً انسان کو آخر میں خلق کیا گیا۔ اللہ نے آسمان کی چیزیں،[a] آسمان و زمین کے بیچ کی چیزیں اور زمین کے اندر کی چیزیں بنائیں۔

> اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور اُن دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے۔ (ط 6:20)

غرض قرآن میں تخلیق اِس طرح پیش کی گئی ہے: پہلے، تخلیق چھ میعاد میں ہوئی۔ دوسرے، آسمان اور زمین کے خلق ہونے میں کچھ مرحلے تھے۔ تیسرے، کائنات شروع میں ایک ہی ٹھوس ٹکڑا تھا جس کو اللہ نے اپنی قدرت سے ٹکڑا ٹکڑا کر دیا۔ چوتھے، زمین اور سات آسمان ہیں۔ پانچویں، آسمانوں اور زمین کے درمیان سیارے اور اجرامِ فلکی پائے جاتے ہیں۔ چھٹے، اللہ اکیلا ہی قدرت اور کائنات کا خالق ہے اور یہ دو خدا نہیں ہو سکتے اور نہ ہی یہ دو قابلِ پرستش ہیں۔ کیونکہ اللہ

---

[a] مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ نے سات آسمان بنائے۔ "اللہ وہی ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اُتنی ہی۔" (الطلاق 12:65)

ہی خالق اورمخلوق پر قادر ہے۔ ساتویں، اللہ نے ہر چیز کو ترتیب اور قابلِ سمجھ طریقے سے خلق کیا۔

انسان خلیفہ ہے

انسان کا تخلیق میں کون سا کردار ہے؟ انسان تخلیق کا حصہ ہے، اور غالباً اُسے سب سے آخر میں بنایا گیا۔ انسان کو خدا نے منفرد طریقے سے بنایا۔ اُس نے اُنہیں سیکھنے، بولنے اور سمجھنے کی لیاقت بخشی، نیز یہ کہ وہ صحیح اور غلط، نیکی اور بدی میں امتیاز کرسکیں۔ تمام مخلوقات میں سے وہ اکیلے ہی اِن خاصیتوں کے مالک ہیں، اِس لئے اُن کا خاص عہدہ بھی ہے۔

پہلا انسان آدمؑ تھا۔ آدمؑ کو زمین پر اللہ کا خلیفہ یعنی نائب پیدا کیا گیا۔ قرآن شریف کے مطابق اللہ نے فرشتوں سے فرمایا،

> اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ مَیں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب، کہا فرشتوں نے، کیا قائم کرتا ہے تُو زمین میں اُس کو جو فساد کرے اُس میں اور خون بہائے۔ اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد

> کرتے ہیں تیری پاک ذات کو۔ فرمایا، بے شک مجھ کو
> معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ (البقرہ 30:2)

اِس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے بنا کر اُسے تمام چیزوں کے نام اور خصوصیات سکھائیں۔ پھر اللہ نے یہ چیزیں فرشتوں کو پیش کر کے اُن سے فرمایا،

> بتاؤ مجھ کو نام اِن کے اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ 31:2)

گو اللہ نے آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام فرشتوں کے سامنے ہی سکھائے تھے تو بھی وہ ایک بھی نہ بتا سکے۔ تب اُنہوں نے کہا،

> پاک ہے تُو۔ ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تُو نے ہم کو سکھایا۔
> بے شک تُو ہی ہے اصل جاننے والا، حکمت والا۔
> (البقرہ 32:2)

تب اللہ نے حضرت آدمؑ کو کہا کہ وہ فرشتوں کو تمام نام بتائیں۔ آدمؑ نے وہ سارے نام بتائے تو فرشتے دنگ رہ گئے۔ یوں اللہ نے اعلان کیا کہ زمین پر میرے خلیفے کا علم فرشتوں کے علم سے اعلیٰ ہے۔ تب اللہ

نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کے سامنے سجدہ کریں۔ تمام فرشتے مان گئے سوائے ابلیس کے۔ اُس نے گھمنڈ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا (دیکھئے البقرہ 34:2)۔

اِس دوران اللہ نے حضرت آدمؑ کے لئے ایک ساتھی بنایا جس کا نام حواؑ تھا۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور ہم نے کہا، اے آدم رہا کر تُو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اُس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اِس درخت کے۔ پھر تم ہو جاؤ گے ظالم۔ (البقرہ 35:2)

ہم نے غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص طریقے سے بنایا اور اُنہیں ایک خاص درجہ عطا کیا۔ حضرت آدمؑ کو اللہ کا خلیفہ ہونا تھا۔ پھر اللہ نے اُن کو تمام مخلوقات کے نام سکھائے۔ پھر اللہ

نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کے سامنے سجدہ کریں۔ ابلیس[a] کے سوا سب مان گئے۔ اِن سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟ اِس کا مطلب ہے کہ اللہ نے انسان کو اِس قابل بنایا کہ وہ اِن سب پر اپنا اختیار رکھے۔ کیونکہ کسی چیز کا نام جاننے کا مطلب ہے کہ اُس پر مختار ہونا۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> بے شک زمین ہے اللہ کی۔ اُس کا وارث کر دے جس کو وہ چاہے اپنے بندوں میں۔ (الاعراف 128:7)

اللہ نے اپنے خلیفے انسان کو اپنے اَن گنت مخلوقات پر اختیار رکھنے کی عزت بخشی۔ انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قدرت کی تمام اشیا اپنے فائدے کے لئے استعمال کرے (الاحزاب 72:33)۔ خلیفہ ہونے کے ناتے سے انسان کو چنا گیا ہے کہ وہ کاشت کاری کرکے علم اور سمجھ کے ساتھ زندگی کا اضافہ کرے۔ قدرت انسان کے تابع ہے۔

---

[a] مسلمان تعلیم کے مطابق ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک جن بلکہ جنوں کا سردار تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

اللہ کی نظروں میں انسان اعلیٰ عہدہ رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ تخلیق پر اختیار رکھتا ہے۔ صرف انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ الٰہی احکام کے تابع رہ کر اپنی بھلائی کے لئے قدرت استعمال کرے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو کہ چلیں اُس میں جہاز اُس کے حکم سے۔ ... اور کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔ (الجاثیہ 45:12-13)

یہاں دریا کا ذکر کیا گیا ہے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کی انسان کے لئے فکر کی صرف ایک مثال ہے۔ جب لوگ قدرت کو اپنے ماتحت کرتے ہیں تو اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ زمین پر صرف اللہ کا خلیفہ ہیں۔ لازم ہے کہ وہ قدرت کو ذمے داری سے استعمال کریں۔

قدرت کے حقوق

گو انسانوں کا اعلیٰ عہدہ اُنہیں اللہ کی تخلیق پر اختیار دیتا ہے، تو بھی وہ کبھی کبھی اپنی حدیں پار کر لیتے ہیں۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ دیگر مخلوقات کے بھی حقوق ہوتے ہیں۔ اِن کو توڑنا منع ہے۔ انسان کو قدرت کو غلط طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قدرت کا بنیادی حق یہ ہے کہ نہ اُسے بے مقصد برباد کیا جائے، نہ اُسے ضرر پہنچایا جائے۔ مثال کے طور پر اسلام درختوں اور جھاڑیوں کے بے فائدہ کاٹے جانے کو نامنظور کرتا ہے۔ وہ جنگل کے پھل اور دیگر چیزیں استعمال کر سکتا ہے۔ وہ چراگاہوں کو چوپائیوں کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ مگر اُسے یہ چیزیں بلاوجہ برباد کرنے کا حق نہیں۔ آخر پیڑوں اور نباتات میں جان ہوتی ہے۔

> اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اُگائے ہم نے اُس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔ ... روزی دینے کو بندوں کے۔ (ق 50:9-11)

خلیفے کو زمین کے اوپر دیگر سیاروں کی کھوج بین کرنے کی بھی اجازت ہے۔مگر اُسے کوئی حق نہیں کہ اُنہیں برباد کرے۔ اسلام میں بے جان چیزوں کو ضائع کرنے کی بھی مناہی ہے۔ یہاں تک کہ پانی کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ نماز کے وقت صرف اُتنا ہی پانی استعمال کرنا ہے جتنا وضو یا غسل کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتا کہ انسان خوراک کو ضائع کرے۔ یہ بھی غلط ہے کہ حد سے زیادہ کھایا جائے جبکہ دوسرے بھوکے مریں۔مسلمان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ جانوروں کو کھانے کے لئے ذبح کرے۔ مگر کسی جانور کو تماشا، کھیل کود یا مشغلے کے لئے ہلاک کرنے کی مناہی ہے۔ اور جب کسی جانور کو ذبح کیا جائے تو اِس طرح ذبح کرنا ہے کہ اُسے کم تکلیف ہو۔ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے زندگی دینے والے کا نام ضرور زبان پر لانا چاہیئے یہ یاد دلانے کے لئے کہ اُسے لاپروائی سے نہیں بلکہ صرف کھانے کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔

شکار کرنا جائز ہے اگر کھانے کے لئے کیا جائے۔ موذی جانور کو ہلاک کیا جا سکتا ہے، کیونکہ انسان کی زندگی موذی جانور سے زیادہ قیمتی

ہے۔مگر اُن کو بھی یوں ہلاک کیا جائے کہ تکلیف کم ہو۔ پالتو جانوروں کے ساتھ نرمی سے سلوک کیا جانا چاہیئے۔ پرندوں کو صرف اِس صورت میں پنجروں میں بند رکھا جائے کہ اِس کی خاص وجہ ہو۔

خلاصہ

ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے خالق نے انسان کو سکھایا ہے کہ قدرت سے فائدہ اُٹھائے۔مگر لازم ہے کہ وہ قدرت کو ضائع کرنے اور برباد کرنے سے پرہیز کرے۔ مہربان خدا نے قدرت کو انسان کی غزا کے لئے مہیا کیا ہے۔ اُسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ قدرت کے ذرائع سے فائدہ اُٹھائے۔ انسان کا مرکزی کردار یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ کے تابع رہتے ہوئے نائب کی حیثیت سے ترقی کرے۔

عیسائی کا جواب

اسلام اور عیسائی دین دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ قدرت اللہ کی عمدہ تخلیق ہے۔ انسان کو اللہ سے بتایا گیا ہے کہ وہ شکر گزاری اور ذمے داری کے ساتھ قدرت سے فائدہ اُٹھائے۔ قدرت کی بربادی اور استحصال

عیسائیوں اورمسلمانوں دونوں کے نزدیک مذمت کے لائق ہے۔ عیسائی اورمسلمان دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ قدرت اللہ کی اچھی اورعمدہ تخلیق ہے۔ لازم ہے کہ ہم قدرت کو ذمے داری کے ساتھ استعمال کرنے میں اللہ پر انحصار کریں۔ اِس میں ہمارا پورا اتفاق ہے۔

تاہم قدرت کے بارے میں تعلیم میں مسلمان اور عیسائی کے بیچ کچھ فرق بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام میں ہم سیکھتے ہیں کہ اللہ نے تمام چیزوں کے نام انسان کو سکھائے۔ مگر توریت میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو جانوروں اور پرندوں کے نام رکھنے کا حکم دیا۔ اسلام میں آدمؑ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ توریت میں انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دیگر مخلوقات پر حکومت کرے۔ کیا اِس کا مطلب ہے کہ توریت شریف کے حساب سے لوگوں کو زیادہ آزادی، اختیار اور ذمے داری دی گئی ہے کہ وہ سب کچھ اپنی بھلائی کے لئے استعمال کرے؟

لیکن ساتھ ساتھ کتابِ مقدّس آگاہ کرتی ہے کہ انسان کا قدرت کے ساتھ رشتہ اُس وقت زیادہ خوش کن ہو گا جب اُس کا اللہ کے ساتھ صحیح رشتہ ہو۔

کتابِ مقدّس کا مقصد ہے کہ زندگی کے معنی کو ظاہر کرے؛ یہ کوئی سائنس کی معلومات کی کتاب نہیں بلکہ یہ بتاتی ہے کہ زمین اللہ کی ترتیب کی گئی اچھی تخلیق ہے۔ وہ اِس سے آگے نہیں جاتی۔ یہ انسان کی اپنی ذمے داری ہے کہ سمجھے کہ کس طرح اللہ نے زمین کو ایک ساتھ ملایا اور قدرت کے پوشیدہ اصولوں کی چھان بین کرے۔ کتابِ مقدّس میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ زمین کو ماتحت کرے، اُسے بھر دے، اُس کی کھیتی باڑی کرے، اُس پر حکومت کرے اور اُس کی فکر کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت آدمؑ اور حواؑ

مسلمان کا عقیدہ

> پھر جب ٹھیک کروں اُس کو اور پھونک دوں اُس میں اپنی جان سے تو گر پڑیو اُس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ (الحجر 29:15)

قرآن شریف کی ایک اَور آیت فرماتی ہے،

> کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ مَیں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔ (البقرہ 30:2)

اِس کا کیا مطلب ہے کہ حضرت آدمؑ اللہ کے نائب ہیں جن کو اللہ کی جان حاصل ہوئی ہے؟ حال کے کچھ مسلم علما سمجھتے ہیں کہ انسان ایک حد تک اللہ کی مانند ہے۔ مگر مروجہ تعلیم یہ ہے کہ انسان کسی بھی طرح اللہ کی مانند نہیں ہے۔ بے شک اللہ کی جان اُس میں پھونکی گئی۔ لیکن اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُسے اللہ کی طرح علم اور ارادہ رکھنے کی صلاحیت دی گئی ہے جس سے انسان تمام مخلوقات پر سبقت رکھتا ہے۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ انسان کی مانند ہے، کیونکہ وہ تو پوری طرح سے مافوق الفطرت ہے۔

تاہم انسان عزت کے لائق ہے، کیونکہ اُس کے اندر اللہ کی جان پھونکی گئی ہے، اور اُسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ بنا رہے۔ انسان اِس لئے خلیفے کے عہدے کا حقدار ہے کیونکہ وہ اکیلا ہی ذی عقل، روحانی اور ارادہ رکھنے والا ہے۔ کائنات کے خالق و مالک نے زمین کو بنا کر انسان کو اُس کی حفاظت کرنے کی ذمے داری دی ہے۔ اُس نے اُس کو ایک محدود خود مختاری عطا کرکے زمین

پر خلیفہ مقرر کیا اور اُس کو ہدایت دی کہ وہ اُس کے احکام کے تابع رہ کر زندگی بسر کرے۔

چونکہ اللہ نے انسان میں اپنی جان پھونکی اِس لئے اُس کے اندر کوئی چیز ہے جو خاص ہے۔ یہ چیز کیا تھی؟

- صحیح اور غلط، بھلے اور بُرے، حقیقت اور وہم میں امتیاز کرنے کی صلاحیت۔
- بھلے یا بُرے، سچ یا جھوٹ، اچھائی یا بُرائی کو چننے کی آزاد مرضی۔
- اپنے ارد گرد کی چیزوں کو استعمال کرنے کا اختیار۔
- بولنے کی صلاحیت جس سے وہ اپنے خالق کی عبادت کا اظہار کر سکتا ہے۔

اللہ نے یہ چار نعمتیں انسان کو دی ہیں۔ اگر اِن کو صحیح طور سے کام میں لایا جائے تو وہ انسان کو اللہ کی مرضی کے تابع رہنے کے قابل بنا دیتی ہیں۔ جب اللہ نے انسان کو بنایا تو اُس نے اُسے حکم دیا کہ صرف اُس کی عبادت کرے۔ اُس نے انسان کو زمین پر ایک مقررہ وقت کے لئے رکھا ہے تاکہ اُسے جانچ لے کہ وہ کس طرح یہ روحانی

نعمتیں استعمال کرے گا۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا کہ صرف اُس کی عبادت کرے۔ وہ کسی بھی طرح سے اُس کا شریک یا حریف نہیں ہو سکتا۔ انسان کی یہ روحانی نعمتیں اُس کی محدود فطرت کے مطابق دی گئی ہیں۔

جتنا اچھا اور بھلا انسان کیوں نہ ہو وہ کبھی بھی اپنے خالق جیسا بھلا اور کامل نہیں ہو سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسان غافل، بے پروا، لاپروا اور بُھلکّڑ ہے۔ وہ اچھا مگر ناقص ہے۔ ناقص ہونے کے ناتے سے اُس کو لگاتار یاد دہانی کی ضرورت ہے۔ اِسی لئے اللہ نے نبیوں اور پیغمبروں کو بھیجا کہ کاملیت کو حاصل کرنے میں اُس کی مدد کرے۔ نبیوں کے ذریعے اللہ نے لگاتار انسان کو اپنے احکام کی یاد دلائی۔

پہلے مسلمان

یہ مسلمان کا ایمان ہے کہ حضرت آدمؑ نہ صرف پہلے خلیفہ اور پہلے انسان تھے بلکہ کہ وہ پہلے نبی بھی تھے۔ نبوت پہلے انسان سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے انسان کو شریعت دی گئی تاکہ وہ اُس کی پیروی کرکے

اُسے آنے والی نسلوں کو پیش کرے۔ یہ شریعت اُس زمانے سے لے کر آج تک اسلام کہلاتا ہے یعنی اللہ کے تابع رہنا۔

مسلمان کا ایمان ہے کہ یہ پہلا دَورگناہ اور بغاوت سے شروع نہیں ہوا۔ بے شک حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کو ابلیس کی آزمائش کے باعث باغ سے نکال کر نیچے زمین پر بھیجا گیا۔[a] لیکن اُنہوں نے اپنے گناہ کو تسلیم کرکے توبہ کی۔ تب اُنہیں اللہ سے مغفرت حاصل ہوئی۔ اُنہیں ضروری ہدایت دی گئی۔ حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ کے ایک سچے نبی تھے۔ اور حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دونوں پہلے سچے مسلمان تھے۔ قرآن شریف یہ بات صاف فرماتا ہے،

> بولے وہ دونوں، اے رب ہمارے ظلم کِیا ہم نے اپنی جان پر۔ اور اگر تُو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔ (الاعراف 23:7)

رحیم و کریم خدا نے اُن کو بخش دیا اور اُنہیں زمین پر یہ کہہ کر بھیج دیا،

[a] ابلیس کو بھی جنت سے نکالا گیا تھا۔

> تم سب اترو۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ (البقرہ 36:2)

لیکن انسان کو اِس لئے زمین پر نہیں رکھا گیا کہ اُسے سزا دی جائے بلکہ اِس لئے کہ اُسے جانچ کر دیکھا جائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تابع داری کرے گا کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یقیناً بخش دیا۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں، پھر متوجہ ہو گیا اللہ اُس پر۔ بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (البقرہ 37:2)

اللہ ہر طرح سے محبت اور رحم کرنے والا ہے۔ اِس لئے اُس نے انسان کے خطاؤں کے باوجود اُسے ہدایت دینے کا یقین دلایا۔ اُس نے فرمایا،

> ہم نے حکم دیا، نیچے جاؤ یہاں سے تم سب۔ پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہو گا اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
>
> (البقرہ 38:2)

غرض پہلے انسان کو الہام اور ہدایت بخشی گئی جس سے تمام لوگ فیض یاب ہو جائیں۔ اللہ انسان کو یقین دلاتا ہے کہ جو بھی اِس ہدایت کی پیروی کرے وہ حال اور مستقبل کے خوف سے آزاد رہے گا، اور اُسے ماضی کے بارے میں دُکھ نہیں ہو گا۔

اکثر مسلمان سمجھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ کو اِس آسمانی باغ میں رکھا گیا تاکہ جانچا جائے کہ اُن کا رجحان کس طرف ہے۔ تب ہی اُنہیں زمین پر بھیج کر خلیفہ مقرر کیا گیا۔[a] یہ باغ اُنہیں جانچنے کا سب سے زیادہ موزوں مقام تھا، کیونکہ یہ اصل میں جنت تھا۔ انسان کو بتایا گیا تھا کہ فردوس رہنے کی سب سے موزوں جگہ ہے، پر اگر وہ ابلیس کے آزمائش تلے دب جائے تو وہ فردوس میں ٹھہر نہیں سکتا۔ فردوس کو پھر

[a] A. Maududi, *The Meaning of the Qur'an*, Vol. (Lahore: 1971), pp 58f.

سے حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ یہ کہ وہ مضبوطی سے قائم رہ کر ابلیس کا مقابلہ کرے اور اللہ کی شریعت پوری کرے۔ آدمؑ کو سچی ہدایت ملی تاکہ وہ اپنے خاندان اورنسل سمیت فرماں بردار مسلمان بنے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کرے۔ تب ہی اُنہیں باغ دوبارہ حاصل ہو گا۔

حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ دونوں کو آزمایا گیا، لہٰذا دونوں ہی برابر ذمے دار ٹھہرے۔ دونوں آزمائے گئے، دونوں نے توبہ کی، دونوں کو مہربان خدا سے برکت مل کر بخشا گیا۔ وہ دونوں سچے مسلمان تھے۔ وہ دونوں ہی زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفے تھے۔ کوئی بھی مسلمان، عورت کو پہلی خطا کے لئے قصور وار نہ ٹھہرائے۔ اسلام میں نہ عورت آدمی سے کمتر ہے اور نہ ہی آدمی عورت سے بلکہ وہ دونوں یکساں درجہ رکھتے ہیں۔

انسان ناقص ہے

تمام لوگ پیدا ہوتے وقت سچے مسلمان ہوتے ہیں۔ اُس وقت سب بے گناہ، پاک اور آزاد ہوتے ہیں (الروم 30:30)۔ اسلام کے مطابق

انسان کی مرضی ایک ہی گناہ کے باعث نہیں بگڑی۔ اسلام کی تعلیم موروثی گناہ نہیں مانتی۔ گو انسان سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ ایک محدود مخلوق ہونے کے ناتے سے اُس کا ناقص ہونا ضروری ہے۔ اِس کے برعکس گناہ اُس وقت ہو جاتا ہے جب انسان کو کامل بننے کا ذریعہ ہے لیکن وہ یہ ذریعہ نہیں اپناتا۔ بچپن میں انسان سے جو گناہ ہو جاتے ہیں اُس کے لئے وہ ذمے دار نہیں ہے۔ وہ تب ہی ذمے دار ہوتا ہے جب اُسے بالغ ہو کر اللہ سے صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے کی صلاحیت دی جاتی ہے۔ وہ صرف اُسی وقت اپنے خالق کے سامنے ذمے دار ٹھہرتا ہے۔ پھر بھی چونکہ انسان اچھا ہی پیدا ہوتا ہے اِس لئے اُس کے گناہ مجموعی طور پر بیرونی اثرات اور ماحول کا نتیجہ ہیں۔

اسلام انسان کو اچھا اور ذمے دار قرار دیتا ہے۔جس سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہی ذمے دار ٹھہرتا ہے۔ اسلام کے مطابق گناہ موروثی نہیں ہے کیونکہ انسان گناہ گار پیدا نہیں ہوتا۔ اِسی طرح گناہ نہ تو کسی قوم کی خصوصیت ہے، نہ ہی ایک سے دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ

نے انسان کو آزاد مرضی عطا کی ہے اور اِس لئے انسان اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے، چاہے وہ بھلے ہوں یا برے، صحیح ہوں یا غلط۔ ایک انسان اپنی آزادی غلط استعمال کرکے گناہ کے شکنجے میں آ سکتا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ اُسے توبہ کرنے کی قابلیت ہے۔ اگر وہ ایسا کرکے اللہ کی ہدایت کے تابع ہو جائے تو اُسے بخش دیا جا سکتا ہے۔ انسان گناہ کرنے کے قابل ہے، لیکن گناہ اُس کی فطرت میں شامل نہیں ہے۔ اِس لئے انسان اگر اپنی خاص صلاحیتیں کام میں لائے تو وہ آسانی سے گناہ سے پرہیز کر سکتا ہے۔ گناہ ناگزیر نہیں ہے، کیونکہ انسان فطری طور پر گناہ گار نہیں ہے۔

خلاصہ

انسان ایک عزت دار مخلوق ہے جس کے اندر اللہ نے اپنی جان پھونکی ہے۔ اِس جان کا پھونکے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرح علم اور ارادہ رکھتا ہے؛ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ کا ہم شکل یا اُس کے برابر یا اُس کا حریف و رقیب ہے۔ جو روحانی نعمتیں

انسان کو ملی ہیں وہ اُس کی فطرت کے مطابق محدود ہی ہیں۔ انسان کو زمین پر خلیفہ بھی بنایا گیا ہے۔

اسلام نہیں سمجھتا کہ انسان فطری طور پر گناہ گار ہے۔ بلکہ اسلام سکھاتا ہے کہ انسان کامل نہیں ہے۔ صرف اللہ ہی کامل ہے۔مگر ناقص انسان غافل ہو کر بھول جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے انسان کو نبیوں اور مکاشفے کے ذریعے بار بار صحیح راستے کی یاد دلانی پڑتی ہے۔

عیسائی کا جواب

انسان کیا ہے؟ سوال یہی ہے۔ انسان کو اللہ کی جان یا روح ملنے سے کیا مطلب ہے؟ یقیناً اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اعلیٰ مخلوق ہے جس طرح اسلام گواہی دیتا ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> تُو نے اُسے تھوڑی دیر کے لئے فرشتوں سے کم کر دیا، تُو نے اُسے جلال اور عزت کا تاج پہنا کر سب کچھ اُس کے پاؤں کے نیچے کر دیا۔ (عبرانیوں 2:7-8)

اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان کو اللہ کی جان ملی۔ اِس سے بڑھ کر توریت شریف فرماتی ہے،

> رب خدا نے زمین سے مٹی لے کر انسان کو تشکیل دیا اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو وہ جیتی جان ہوا۔ (پیدائش 7:2)

ساتھ ہی وہ یہ بھی فرماتی ہے کہ

> اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا، اللہ کی صورت پر۔ اُس نے اُنہیں مرد اور عورت بنایا۔ (پیدائش 27:1)

جب فرمایا گیا کہ انسان کو اللہ کی صورت پر بنایا گیا تو اِس کا مطلب یہ نہیں کہ دیکھنے میں اللہ اُن جیسے ہے یا دیکھنے میں لوگ اللہ جیسے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ جیسی اعلیٰ خاصیتیں رکھتے ہیں۔ اللہ کی مشابہت کا مطلب خاص طور سے یہ ہے کہ لوگوں میں اللہ کے ساتھ رفاقت رکھنے کی قابلیت یا صلاحیت پائی جاتی ہے۔ لوگ اللہ کو جان سکتے ہیں۔ وہ اپنے خالق کے ساتھ عہد باندھ کر رفاقت رکھنے کے

قابل ہیں۔ اور یہ رفاقت شخصی ہے۔ اِسی میں وہ اللہ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

اسلام اِس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان ذی عقل ہے۔ عیسائی ایمان اِس بات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے کہ انسان خاص طور سے عہد باندھ کر رفاقت رکھنے کے قابل ہے۔ اسلام کے مطابق انسان کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے تابع رہ کر چلے۔ اِس کے مقابلے میں عیسائی ایمان کے مطابق انسان کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ اور دوسرے انسانوں کے ساتھ خوشی منا کر رفاقت رکھے۔

کتابِ مقدّس کے مطابق لوگ اللہ سے دُور ہونے سے بُرے اور گناہ گار ہو جاتے ہیں۔ عیسائی کا ایمان یہ ہے کہ اللہ کی جس صورت پر اُسے بنایا گیا ہے وہ اُس وقت بگڑ جاتی ہے جب وہ اللہ کے ساتھ صحیح رشتہ نہیں رکھتا۔ کتابِ مقدّس فرماتی ہے،

> سب نے گناہ کیا، سب اللہ کے اُس جلال سے محروم ہیں جس کا وہ تقاضا کرتا ہے۔ (رومیوں 23:3)

مسلمان کی وضاحت

اللہ کی جو جان حضرت آدمؑ کو ملی اُس کے بارے میں مسلمان اور عیسائی مختلف سوچ رکھتے ہیں۔ مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ جو جان اللہ نے انسان میں پھونک دی اُس سے اُسے دیگر مخلوقات سے بڑھ کر فہم، مرضی، اختیار اور بولنے کی قابیلت ملی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابلیس اور بُرائی

بُرائی کا سرچشمہ

مسلمان کا ایمان ہے کہ ابلیس حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے ہی بُرائی کا سرچشمہ اور مرکز رہا ہے۔ ابلیس نے پہلے ہی اللہ کی نافرمانی کی۔ اُس نے انسان کی پیدائش سے بہت پہلے اللہ سے بغاوت کی۔ اِس کے بارے میں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مَیں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے۔ پھر جب ٹھیک کروں اُس کو اور پھونک دوں اُس میں اپنی جان سے

> تو گر پڑیو اُس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ تب سجدہ کیا
> اِن فرشتوں نے سب نے مل کر۔ مگر ابلیس نے نہ مانا
> کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے۔
> (الحجر 15:28-31؛ بمقابلہ الاعراف 7:11؛ البقرہ 2:34)

ابلیس کی یہ نافرمانی انسان کے بیچ بُرائی کا سرچشمہ تھی۔ جب اللہ نے ابلیس سے پوچھا کہ تُو نے سجدہ کرنے سے کیوں انکار کیا تو اُس نے جواب دیا،

> مَیں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جس کو تُو نے بنایا
> کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے۔ (الحجر 15:33)

اُس نے یہ بھی کہا کہ مَیں انسان سے کئی گنا بہتر ہوں، کیونکہ مجھے آگ سے (یا نور) سے بنایا گیا ہے جبکہ انسان کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔

اللہ نے انسان میں اپنی جان پھونک کر اُسے خلیفہ مقرر کیا اور تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدمؑ کے آگے گر کر سجدہ کریں تو ابلیس نے غرور سے انکار کیا۔ یوں ایمان سے دُور ہونے سے ابلیس بُرائی کا سرچشمہ ہے۔

ابلیس مغرور تھا۔ اُس نے کہا کہ مَیں نور سے بنایا گیا ہوں اور اِس لئے انسان سے جو مٹی سے بنا ہے بہتر ہوں۔ گو انسان مٹی سے ضرور بنا تھا لیکن انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا تھا، اور اُس کو اللہ کی جان کا کچھ حصہ حاصل ہوا تھا۔ ساتھ ہی انسان کو اللہ کا خلیفہ بنایا گیا۔ اُس سے پہلے کسی بھی مخلوق کو یہ عزت حاصل نہیں ہوئی تھی، نہ آسمان میں اور نہ زمین پر۔ یوں گھمنڈ، اناپرستی، حسد اور بغاوت جو بُرائی کے سرچشمے ہیں ابلیس کی خاص ملکیت ہیں۔

چونکہ ابلیس نے غرور سے انسان کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرکے اُن فرشتوں کی بدزبانی کی جنہوں نے حضرت آدمؑ کے سامنے سر جھکایا تھا اِس لئے اللہ نے اُس کو مسترد کرکے اُس پر لعنت بھیجی۔ اللہ نے فرمایا،

> تُو تو نکل یہاں سے تجھ پر مار ہے۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے اُس دن تک کہ انصاف ہو۔ (الحجر 15:33-34)

تب ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے ایک آخری درخواست کرکے کہا،

> اے رب، تُو مجھ کو ڈھیل دے اُس دن تک کہ مردے زندہ ہوں۔ (الحجر15:36)

ابلیس کی یہ درخواست قیامت کے دن تک منظور کی گئی۔ پھر اُس شریر نے اللہ تعالیٰ پر اپنا ارادہ ظاہر کیا،

> اے رب، جیسا تُو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا مَیں بھی اُن سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھو دوں گا اُن سب کو مگر [سوائے اُن کے] جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ (الحجر15:39-40)

یوں ابلیس نے اللہ کو اپنے بُرے چال چلن کے لئے قصور وار ٹھہرایا۔ اللہ نے جواب میں کہا،

> یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی۔ جو میرے بندے ہیں تیرا اُن پر کچھ زور نہیں مگر [سوائے اُس کے] جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں۔ اور دوزخ پر وعدہ ہے اُن سب

کا۔ اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے واسطے اُن میں سے ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا۔ پرہیزگار ہیں باغوں میں اور چشموں میں۔ کہیں گے اُن کو جاؤ اُن میں سلامتی سے خاطرجمع سے (بے کھٹکے)۔

(الحجر 15:41-46)

اِس سے ہم سیکھتے ہیں کہ ابلیس تخلیق کے شروع سے لے کر موجودہ زمانے تک انسان کا سب سے بڑا دشمن رہا ہے (الاعراف 7:14-18)۔ اُس نے شرارت کی سرگرمیاں پہلے انسان پر چلانا شروع کر دیا، اور اُس نے یہ کام تب ہی سے جاری رکھا ہے۔

جب اللہ ابلیس کو لعنت دے چکا تو اُس نے آدمؑ سے کہا،

اور اے آدمؑ، رہ تُو اور تیری عورت جنت میں۔ پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اُس درخت کے۔ پھر تم ہو جاؤ گے گنہگار۔ (الاعراف 7:19)

اُس وقت ہمارے پہلے ماں باپ روحانی اور جسمانی طور سے بالکل ہی معصوم تھے۔ اُنہیں معصومیت اور مسرت کے روحانی باغ میں رکھا گیا تھا جو کہ زمین پر نہیں تھا بلکہ آسمان میں۔ وہ بُرائی کو نہیں جانتے تھے۔ پھر بھی وہ اللہ کے خلیفے تھے، جو علم، مرضی اور انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ گو وہ گناہ کرنے کی قابلیت رکھتے تھے تو بھی اُنہیں بُرائی کو رد کرنے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفے کو جانچنے کے لئے ایک چھوٹی سی بات منع کی۔ انسان کو صرف ایک درخت کے نزدیک جانے سے منع کیا گیا۔ مگر دونوں شرارت کے سردار کی آزمائش کا شکار ہوئے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> پھر بہکایا اُن کو شیطان نے تاکہ کھول دے اُن پر وہ چیز کہ اُن کی نظر سے پوشیدہ تھی اُن کی شرم گاہوں سے۔ اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اِس درخت سے مگر اِسی لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتہ یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے۔ اور اُن کے آگے قَسم کھائی کہ مَیں البتہ تمہارا دوست ہوں۔ (الاعراف 7:20-21)

یوں ابلیس دھوکا دے کر حضرت آدمؑ اور حواؑ کو اُس درخت کا پھل کھلانے میں کامیاب ہوا۔ تب اُن کو باغ سے زمین پر نزول کرایا گیا۔ اِس سے بڑھ کر جب اُنہوں نے اُس پھل سے کھایا تو پہلی بار اُنہوں نے اپنا ننگاپن دیکھ کر شرم محسوس کی۔ اُنہوں نے جلدی سے پتوں سے خود کو ڈھانکا۔ تب اللہ نے اُنہیں یہ کہہ کر پکارا،

> کیا مَیں نے منع نہ کیا تھا تم کو اِس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟
>
> (الاعراف 22:7)

اِس طرح سے شرارت کا سردار اُن کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرکے اللہ کی مرضی سے دُور لے جانے میں کامیاب ہوا۔

ہم کو اِس بات پر دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ نے ابلیس کے دھوکے اور آزمائش کے باعث ہی ممنوعہ پھل سے کھایا۔ بے شک اُنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اُن سے گناہ سرزد ہوا۔ مگر اُنہوں نے یہ کچھ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ اور جب اللہ نے اُن کو بلایا تو اُنہوں نے اپنے گناہ کو کھلے طور پر تسلیم کیا۔ اُنہوں نے کہا،

> اے رب، ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر۔ اور اگر تُو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔ (الاعراف 23:7)

حضرت آدمؑ اور حواؑ نے اللہ کے حضور توبہ کرکے اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ وہ شرمندہ ہوئے۔ وہ باغ کی شادمانی کی حالت سے محروم ہو گئے۔ اِس لئے اُنہوں نے دعا کی کہ اللہ اُن پر رحم کرے۔ ہم اِس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسان ناقص ہے چاہے وہ آسمان پر بھی ہو۔ ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ اِس جیسے سنگین گناہ کے باوجود انسان روحانی اصلاح کے قابل ہے۔

چونکہ انسان اللہ کا خلیفہ ہے اِس لئے اُسے اِتنا علم حاصل ہے کہ وہ اپنے گناہوں اور کمزوریوں کو پہچان سکتا ہے۔ اِس سے بڑھ کر اِس علم کی مدد سے وہ جان لیتے ہیں کہ ہدایت کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلام کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و فضل سے ہمیشہ تیار رہتا ہے کہ اُن تمام لوگوں کے گناہوں کو بخش دے جو خلوص دلی سے اُس کی ہدایت کی تلاش کرکے بہتر بننے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسلام میں سب

سے سنگین گناہ شرک یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دیگر معبود کو ماننا ہے۔ اِس کے باوجود ملحد، کثرت پرست اور ہمہ اوستی کو اللہ سے بخشا جا سکتا ہے اگر وہ خلوص دلی سے اُس کے احکام اور مرضی کے تابع ہو جائے۔

جب حضرت آدمؑ اور حواؑ نے اللہ تعالیٰ کے رحم اور بخشش مانگی تو وہ نہیں جانتے تھے کہ کس طرح اپنے گناہ کا اقرار کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو دعائے مغفرت سکھا کر اُنہیں معاف کیا،

> پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں۔ پھر متوجہ ہو گیا اللہ اُس پر۔ بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (البقرہ 37:2)

یوں حضرت آدمؑ اور حواؑ کو معافی ملی، اور اُن کی آنے والی نسل اِس اثر سے محفوظ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حضرت آدمؑ کی توبہ کو قبول کیا بلکہ اُس نے آگے بڑھ کر اُس کو اپنا پیغمبر مقرر کیا تاکہ وہ انسان کی راہنمائی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو بخش تو دیا تھا مگر اِس کے باوجود اُس نے اُنہیں اُس آسمانی باغ سے زمین پر نزول فرما دیا۔ باغ سے نزول کئے جانے میں ابلیس بھی شامل تھا جو انسان کا جانی دشمن تھا۔ یہ بات سورہ الاعراف (24:7) میں ظاہر کی گئی ہے جہاں لکھا ہے، "تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔" اِس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس اور انسان ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ ابلیس کی پوری کوشش یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے راستے سے ہٹا کر بُرائی کے راستے پر پھیر دے۔ مگر انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ الٰہی ہدایت کی مدد سے ابلیس کا مقابلہ کرے۔ اسلام سمجھتا ہے کہ اُسی کو بُرائی لگ جاتی ہے جو اُس کے سامنے ہار مانے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ایمان دار خادموں پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوتا جب اُنہیں بخشش حاصل ہوئی ہے۔

غرض، اسلام میں بُرائی سے پرہیز کیا جا سکتا ہے اگر مسلمان خلوص دلی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ جو اپنا گناہ تسلیم کرے وہ بخشے جانے کے قابل ہے۔ اسلام میں گناہ موروثی نہیں ہے۔

خلاصہ

مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ ابلیس نے انسان کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اِس لئے وہ بُرائی کا سرچشمہ ہے۔ گو حضرت آدمؑ اور حواؑ نے گناہ کیا تو بھی اُنہوں نے جان بوجھ کر اپنے خالق کی نافرمانی نہ کی۔ وہ شرارت کے سردار، ابلیس کے ذریعے آزمائے گئے۔ تب اُنہوں نے خلوص دلی سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی، اور اُس نے اُنہیں بخش دیا۔ انسان حضرت آدمؑ کی نافرمانی کی بدولت گناہ اور بُرائی میں مبتلا نہیں ہوتے، کیونکہ گناہ موروثی نہیں ہے۔ جب حضرت آدمؑ نے توبہ کی تو اُن کو زمین پر پہلا پیغمبر مقرر کیا گیا تاکہ وہ اپنی اولاد کو ہدایت دیں۔ اگر وہ اچھا نہ ہوتے تو اللہ اتنا بڑا عہدہ کیوں اُن کے سپرد کرتا؟

عیسائی کا جواب

عیسائی کا ایمان یہ ہے کہ آزادی کا غلط استعمال برائی کا سرچشمہ ہے۔ شیطان نے اپنی آزادی کو غلط استعمال کیا۔ اُس نے اللہ سے بغاوت کی اور نتیجتاً نہایت ہی شریر ہوا۔ بے شمار فرشتے اُس کے پیچھے ہو لئے۔

کتابِ مقدّس کے مطابق ابلیس نے انسان کو ورغلایا۔ لیکن گناہ کرنا اُن کا اپنا فیصلہ تھا۔ یہ حضرت آدمؑ اور حواؑ کا اپنا فیصلہ تھا کہ اُنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اُنہوں نے اُس ممنوعہ پھل کو لے کر کھایا۔ جب اُن کی آنکھ کھلی تو اُنہوں نے درختوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چھپایا۔ اُنہوں نے اللہ سے پھر جانے کا فیصلہ کیا (پیدائش 3:1-24)۔

اللہ سے پھر جانے کا فیصلہ بُرائی کی جڑ ہے۔ ہم اپنی نافرمانی کے سبب سے بُرے بن جاتے ہیں۔ اللہ کی جس صورت پر ہم کو بنایا گیا تھا وہ گناہ کے باعث بگڑ گئی ہے۔ کیونکہ ہم انفرادی اور مجموعی طور پر اللہ سے پھر گئے ہیں۔ اِس میں اللہ کا کوئی قصور نہیں۔ ہم خود ہی اللہ سے پھر گئے ہیں۔ اِسی وجہ سے ہم خطاکاری اور موت کا تجربہ کرتے ہیں۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> گناہ کا اجر موت ہے۔ (رومیوں 6:23)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی کتابیں

مسلمان کے الہامی نوشتے

حضرت آدمؑ پہلے انسان تھے جن کو اللہ تعالیٰ سے ہدایت ملی۔ جب اُنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا تو اُنہیں بخش دیا گیا۔ ساتھ ہی اللہ نے حضرت آدمؑ کو ہدایت دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اُس نے حضرت آدمؑ کو زمین پر بھیجا تاکہ وہ اللہ کے خلیفے ہوں اور اُنہیں پہلا پیغمبر مقرر کیا تاکہ وہ اپنی نسل اور دیگر انسانوں کو ہدایت دیں۔

جوں ہی حضرت آدمؑ اور اُن کی اولاد زمین پر سکونت پذیر ہوئے تو ابلیس دوبارہ اپنے شریر کاموں میں لگ گیا۔ مگر جب کبھی بُرائیاں

معاشرے میں پنپ کر پھیل جاتے تو اللہ اصلاح کا پیغام بھیجتا۔ یہ پیغام اکثر اُن پاک نوشتوں میں درج تھے، جن کا انکشاف اللہ کے نبیوں اور پیغمبروں پر ہوا تھا۔ لیکن اللہ نے تمام نبیوں اور پیغمبروں کو پاک کتابیں عطا نہ کیں۔ اُس نے اپنے الٰہی کتب کچھ ہی نبیوں اور پیغمبروں پر منکشف کیا۔

اللہ تعالیٰ کے چار نوشتوں پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا مرکزی حصہ ہے۔ یہ چار کتابیں مقدس اور اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ سب آسمان میں ابدی تختیوں پر نقش کی گئی ہیں۔ یہ نوشتے اللہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً اور لفظ بہ لفظ زمین پر نازل ہوئے ہیں۔ اِن چاروں کتابوں میں بہت کچھ ملتا جلتا ہے، اور اِن کا ایک ہی مقصد ہے کہ انسان کی اصلاح کریں۔ یہ چاروں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔مسلمان کا فرض ہے کہ اُنہیں قبول کرکے اُن پر پوری طرح سے ایمان لائیں۔ اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ایک پانچویں کتاب بھی ہے مگر یہ گم ہو گئی ہے۔

ذیل کے صحائف الٰہی ہیں،

- وہ دس صحائف جو حضرت ابراہیمؑ پر منکشف ہوئے۔ یہ نوشتے گم ہو گئے ہیں۔
- توریت شریف جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔
- زبور شریف جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئے۔
- انجیل شریف جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی۔
- قرآن شریف جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

قرآن شریف اور سابق نوشتے

مسلمان سمجھتے ہیں کہ جب بھی لوگوں کا ایمان زوال پر ہوتا تو اللہ ایک نیا پیغام نازل کر دیتا۔ پیغام یہ ہوتا کہ لوگ توبہ کرکے دوبارہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جائیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ سابق کتابیں اللہ کے پیغمبروں پر نازل ہوئیں تاکہ لوگوں کو ہدایت دیں۔ قرآن شریف دیگر الٰہی کتابوں کی طرح ہے۔ یہ کوئی نیا اور اجنبی مکاشفہ نہیں ہے بلکہ قرآن شریف آخری مکاشفہ ہے جو تمام سابق نوشتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ جہاں کوئی بات صاف نہیں وہاں قرآن شریف بات صاف

بتاتا ہے۔ وہ سچائی کو کامل طور سے بیان کرتا ہے۔ قرآن شریف خود اِس کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ فرماتا ہے،

> اُتاری تجھ پر کتاب سچی، تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اُتارا توریت اور انجیل کو۔ اِس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور اُتارے فیصلے۔
>
> (آل عمران 3:3-4)

قرآن شریف تمام سابق نبیوں اور پیغمبروں کی عزت کرتا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو "اہلِ کتاب" یعنی کتاب کے لوگ کہا گیا ہے۔ اِن لوگوں کو قرآن شریف فرماتا ہے،

> اے کتاب والو، تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے۔ (المائدہ 5:68)

قرآن آگے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھیں۔ اُنہیں اُن کی عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت بھی ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں۔ اور اہلِ کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے، اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے۔ اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان اور پاک دامن عورتیں اُن میں سے جن کو دی گئی کتاب۔
>
> (المائدہ 5:5)

سابق الٰہی نوشتے لوگوں کو راست بازی، محبت اور اللہ کو پسند چال چلن کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو بھی لگتا ہے کہ اُن میں سے کچھ احکام اور تعلیم صرف کسی خاص قبیلے، معاشرے، قوم یا زمانے کے لئے دی گئی ہیں۔ اِس کے علاوہ مسلمان سمجھتے ہیں کہ انسانوں کی ناقص باتیں کتابِ مقدّس میں درج کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر کتابِ مقدس انبیا کے کردار پیش کرتی ہے۔ مزید یہ کہ نوشتوں میں تاریخ اور اللہ کا کلام دونوں کتابِ مقدّس میں شامل ہیں۔ اِس لئے مَیں مسلمان کی حیثیت سے

سمجھتا ہوں کہ کتابِ مقدّس میں سے اللہ کا کلام دیگر مواد سے الگ کرنا مشکل ہی ہے۔

اِس لئے مسلمان سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف اِن نوشتوں میں سے آخری مکاشفہ ہے۔ یہ دیگر نوشتوں کی تمام سچائیوں کا معراج اور کامل بیان ہے۔ گو یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے مگر یہ تمام زمانوں اور تمام انسان کے لئے ہے۔ قرآن شریف کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ابدی سچائی کو بحال کرنے سے سابق مکاشفوں کی حفاظت کرے۔ قرآن شریف وہی مشعلِ راہ ہے جس کی ہدایت سے آدم زاد صراطِ مستقیم پر آ سکتا ہے۔

قرآن شریف کی نوعیت

قرآن شریف الٰہی ہدایت کی ایک لاثانی کتاب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے۔ وہ جبرائیلؑ فرشتے کے ذریعے نبی کریم پر نازل ہوا، اور اُس کا اصل ساتویں آسمان پر محفوظ رکھا ہوا ہے۔

> اور اللہ نے اُن کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ کوئی نہیں
> یہ قرآن ہے بڑی شان کا۔ (البروج 85:21-22)

اللہ کے کلام کے مکاشفے کے لئے حضرت محمّد ﷺ کو چنا گیا۔ ہر ایک حرف، لفظ، جملہ اور معنی سب کچھ منکشف ہوا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اَن پڑھ تھے۔

مکاشفہ یوں شروع ہوا: حضرت محمّد ﷺ حرا پہاڑی کے ایک غار میں جایا کرتے تھے تاکہ روحانی باتوں پر دھیان دیں۔ یہ غار مکّہ سے باہر کچھ فاصلے پر تھا۔ ایک شام جب آپ وہاں پر آرام فرما رہے تھے تو اچانک جبرائیلؑ فرشتہ حاضر ہوئے اور حکم فرمایا کہ پڑھو (اقرا)! نبی کریم نہایت ڈر گئے، اور اُنہوں نے فرشتے سے کہا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ فرشتے نے بات دہرائی اور وہی جواب ملا۔ تب فرشتے نے کانپتے ہوئے پیغمبر کو سینے سے دبایا اور درجِ ذیل آیتیں پڑھنے کے لئے کہا،

> پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے،
> بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ، اور تیرا رب بڑا

> کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھلایا آدمی کو جو
> وہ نہ جانتا تھا۔ (العلق 96:1-5)

اِن آیتوں سے قرآن شریف کا مکاشفہ شروع ہوا۔ اللہ کے فرشتے نے پیغمبرِ اسلام کو یہ آیتیں یاد رکھنے اور اللہ کی کتاب حاصل کرنے کی قوت عطا کی۔ یہ واقعہ تقریباً 610ء میں پیش آیا۔ اُس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر 40 سال کی تھی۔ قرآن شریف پورے 23 سال کے دوران تھوڑا تھوڑا کرکے پیغمبرِ اسلام کی موت سے کچھ پہلے تک نازل ہوتا رہا۔ آپ 632ء میں رحلت کر گئے۔ آخری آیت فرماتی ہے،

> آج مَیں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا
> کیا تم پر مَیں نے احسان اپنا، اور پسند کیا مَیں نے
> تمہارے واسطے اسلام کو دین۔ (المائدہ 5:3)

مسلمان قرآن شریف کو عبادت میں استعمال کرتے ہیں، اور اِسی کتاب سے تمام مسلمان عربی زبان سیکھتے ہیں۔ قرآن شریف مسلم زندگی کا مرکز ہے۔ یہ دیگر کتابوں سے بالکل فرق ہے۔ اُس میں 114 سورہ

جات ہیں۔ اُن میں سے 86 سورہ جات حضرت محمّد ﷺ پر مکّہ میں، اور 28 سورہ جات مدینہ میں رہتے ہوئے نازل ہوئے۔ اِن سورہ جات کو آیتوں میں تقسیم کیا گیا۔ سب سے چھوٹے سورہ جات سورہ 103، 108 اور 110 ہیں جو تین تین آیتوں پر مشتمل ہیں۔ سب سے لمبا سورہ نمبر 2 یعنی البقرہ ہے۔ اُس کی 286 آیتیں ہیں۔ قرآن شریف میں کُل 6239 آیتیں، 77,934 الفاظ اور 323,621 احراف ہیں۔ حال ہی میں یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ قرآن شریف ریاضی کا ایک معجزہ ہے جس کی بنیاد ضربی عدد 19 ہے[a] (سورہ المدثر 30:74 میں لکھا ہے کہ اُس پر مقرر ہیں انیس فرشتے)۔

انسانی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو اُس میں ایک طرح کی بے ربطی پائی جاتی ہے۔ قرآن شریف دیگر کتابوں کی طرح نہیں ہے۔ اُس کے موضوع سلسلہ وار نہیں ہوتے۔ یہ موضوع پوری کتاب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ لیکن جن کو یہ مکاشفہ پیش کیا گیا، اُن کو کوئی پریشانی نہیں تھی، کیونکہ یہ اُن حالات کے جواب میں تھے۔

[a] A. Deedat, *Al-Qur'an: the Ultimate Miracle*, (Durban: 1979), pp 1-75.

پھر بھی مسلمان کے نزدیک ایسا کوئی موضوع نہیں جس کا ذکر قرآن شریف نہیں کرتا۔ علمِ الٰہی، فلسفۂ قانون، سائنس اور تاریخ قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں۔ اِس لئے صدیوں سے قرآن شریف مسلم ممالک میں تعلیم کی مرکزی کتاب رہی ہے۔ گو قرآن شریف مفصل طور سے علم کے تمام پہلو بیان نہیں کرتا تاہم مسلمان مانتے ہیں یہ تمام حقیقی حکمت اور علم کی بنیاد اور سرچشمہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

گو قرآن شریف کو تاریخی ترتیب نہیں دی گئی پھر بھی اُس کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ یہ بات بھی قرآن شریف کی لاثانیت پر زور دیتی ہے۔ قرآن شریف سے ناواقف لوگ اُس سے زیادہ فیض یاب ہوں گے اگر وہ پہچانیں کہ یہ ایک الٰہی کتاب ہے جس کا مقابلہ کسی انسانی تحریر سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک بے مثال کتاب ہے جس کا تصنیفی طرز دیگر تمام کتابوں سے بالکل فرق ہے۔ اُس کا موضوع انسان ہے۔ اُس کا مرکزی مقصد حقیقت کو آشکارا کرنا ہے۔ مکاشفے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو صراطِ مستقیم پر لایا جائے جس سے وہ غفلت اور بُرائیوں کے باعث بھٹک گیا ہے۔ جو

کوئی درجِ بالا تین پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے قرآن شریف کا مطالعہ کرے اُسے پتا چلے گا کہ اُس میں نہ بے ربطی اور نہ ہی کوئی اور خامی پائی جاتی ہے۔

اِس کے علاوہ قرآن شریف سب سے عمدہ عربی نظم و نثر کا مجموعہ ہے۔ جب غیر ایمان داروں نے حضرت محمد ﷺ سے ثبوت مانگا کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اُنہوں نے سوال کیا کہ کیا تم قرآن شریف کی ایک آیت یا ایک جملے کے برابر کی ایک آیت پیش کر سکتے ہو؟ اُن میں سے کوئی بھی یہ نہ کر پایا۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور اگر تم شک میں ہو اُس کلام سے جو اُتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اِس جیسی اور بلاؤ اُس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔
>
> (البقرہ 23:2)

قرآن شریف کا لاثانی عربی معیار ایک زبردست ثبوت ہے۔

> ہم نے اُس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو۔
>
> (یوسف 12:2)

قرآن شریف کی تکمیل

جب بھی نبی کریم ﷺ کو کوئی مکاشفہ حاصل ہوا تو آپ اُسے جبرائیلؑ فرشتے کے سامنے حفظ کرتے تھے۔ تب حضرت جبرائیلؑ اُن کو بتاتے کہ کس ترتیب سے پیش کرنا ہے۔ پھر کاتب نبی کریم ﷺ کی نگرانی میں اُسے قلم بند کرتے (کیونکہ آپ خود ہی اَن پڑھ تھے)۔ تب کاتب لکھے ہوئے مکاشفے کی تلاوت کرتے تاکہ آپ اُس کی تصدیق کر سکیں۔ بہت جلد نبی ﷺ کے ساتھیوں نے بھی قرآن شریف کی آیتوں کو حفظ کر لیا تاکہ عبادت اور نماز میں اُس کا استعمال ہو۔ نبی کریم ﷺ کے رحلت فرمانے سے پہلے قرآن شریف لوگوں کی حفظ میں محفوظ تھا۔ اِس کے علاوہ اُس کے مختلف حصے مٹی کی تختیوں، ہڈیوں، بھیڑوں کی چھالوں، مٹی کے برتنوں اور پتھروں پر قلم بند ہوئے تھے۔

632ء میں حضرت محمّد ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکرؓ پہلے خلیفہ یعنی پیغمبرِ اسلام کے جانشین مقرر ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو قائل کیا کہ قرآن شریف کی تمام آیتوں کو ایک ہی جلد میں جمع کیا جائے، کیونکہ کئی ایک حافظ مر گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے زید بن ثابت کو فرمایا کہ وہ قرآن شریف کے تام حصوں کو ایک ہی جلد میں اکٹھا کریں۔ اُس کی وہی ترتیب ہو جس کی اجازت حضرت محمّد ﷺ نے دی تھی۔ زید بن ثابت نے حضرت محمد کے ساتھیوں کی مدد سے اور اُن کی نگرانی میں یہ کام سرانجام دیا۔ پھر یہ کتاب اُن مسلمانوں سے منظور ہوئی جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی زبانی قرآن شریف سنا تھا۔ اُس وقت اُن کی یادداشت تازہ تھا، کیونکہ صرف دو سال قبل حضرت محمّد ﷺ کا انتقال ہوا تھا۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت میں اُنہیں یہ اطلاع ملی کہ قرآن شریف کی تلاوت فرق فرق تلفظ کے ساتھ کی جا رہی ہے، خاص طور پر اُن لوگوں سے جو عرب نہیں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے فوری جواب میں تقسیم شدہ تام قرآن شریف کی نقلیں جمع کروائیں اور چار

کاتبوں کو بشمول زید بن ثابت کے بلایا تاکہ وہ قرآن شریف پر نظر ثانی کریں۔ اِس کمیٹی نے وہ نسخہ تیار کیا جو آج تک چلتا ہے۔ یہ نسخہ قریش کی مقامی بولی میں ہے، وہی بولی جو حضرت محمّد ﷺ خود ہی استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمان کا ایمان ہے کہ جو قرآن موجودہ زمانے میں استعمال میں ہے وہ بالکل وہی ہے جو حضرت محمّد ﷺ سے حاصل ہوا اور جسے خلیفہ حضرت عثمانؓ اور حضرت محمّد کے صحابۂ اکرام سے 651ء میں منظور ہوا۔ نہ کوئی بات بدلی گئی، نہ چھوڑی گئی، نہ جوڑی گئی ہے۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہے۔ بلکہ اللہ خود ہی قرآن شریف کی محفوظ حالت کی گواہی دیتا ہے جب وہ فرماتا ہے،

> ہم نے آپ اُتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اُس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر 9:15)

احادیث

اسلام کو دو خاص ذرائع سے سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا، قرآن شریف۔ دوسرا، قرآن کے علاوہ حضرت محمد ﷺ کے وہ ارشاد اور کام جو قلم بند

ہوئے ہیں۔ اِن کاموں کو "سنت" اور اِن ارشادوں کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔مجموعی طور پر یہ دونوں حدیث کہلاتے ہیں۔

سنت اور حدیث پیغمبرِ اسلام کا چال چلن ظاہر کرتے ہیں۔سنت وہ کچھ ہے جو آپ نے کیا جبکہ حدیث وہ باتیں ہیں جو آپ نے فرمائیں۔ جن مجموعوں میں سنت اور حدیث دونوں شامل ہیں وہ مل ملا کر حدیث کہلاتے ہیں۔ جب آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے اُنہیں کچھ کرتے دیکھا تو اُس نے اپنے دوستوں کو اطلاع دی جنہوں نے یہ اطلاع آگے پھیلائی۔ اِس طرح یہ اطلاع کا سلسلہ جاری رہا۔

بعد میں اِن احادیث کے مجموعے قلم بند ہوئے۔ لازم تھا کہ ہر حدیث کی تصدیق ایک اسناد سے کی جائے۔یعنی ایسے قابلِ اعتبار لوگوں کے اٹوٹ سلسلے کے ذکر سے جنہوں نے یہ حدیث محفوظ رکھ کر ایک دوسرے کو آگے بتایا تھا۔ ہر حدیث کے متن کو بھی قابلِ فہم اور قابلِ اعتبار ہونا چاہیئے تھا۔ حدیثوں کو جمع کرنے کا کام مسلمان کیلنڈر کی دوسری صدی میں تکمیل تک پہنچا۔ اِن کی بنیاد پر ہمیں حضرت محمد ﷺ کے بارے تمام ضروری معلومات دستیاب ہیں۔

قرآن شریف اور دیگر الہامی کتابوں کی نسبت احادیث الہامی نہیں ہیں۔ مگر مسلمان کے لئے حدیث کی اہمیت قرآن شریف کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ حدیث قرآن شریف کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی امدادی تصنیف ہے۔ یوں قرآن شریف فرماتا ہے،

> جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا اللہ کا۔
>
> (النسا 80:4؛ الاحزاب 21:33؛ الاعراف 157:7؛ ابراہیم 44:14)

اگر ہم مسلمان حدیث کا مطالعہ کرکے اُن کی پیروی نہ کرتے تو اسلام کے بارے میں ہمارا علم ناقص اور اِتنا صاف نہ ہوتا۔ غیر مسلم بھی اسلام کو ٹھیک نہیں سمجھ سکتا اگر وہ حدیث کو نظر انداز کر دے۔

خلاصہ

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ نے اپنے کلام کا انکشاف اپنے کچھ نبیوں اور پیغمبروں پر انسان کی راہنمائی کے لئے کیا۔ کئی بار مکاشفے انسان کی ہدایت کے لئے نازل ہوئے۔ جب کبھی لوگوں کا ایمان زوال پر ہوتا تو اُن کی تجدید کی ضرورت ہوتی۔ یہ مکاشفے انسان کو الٰہی نوشتوں

کے ذریعے دیئے گئے ہیں۔ لازم ہے کہ انسان تمام سابق نوشتوں کو قبول کرے۔ تاہم قرآن شریف آخری مکاشفہ ہے جو سابق کتابوں کی تصدیق کرکے سچائی کو کامل طور سے پیش کرتا ہے۔ گو احادیث کی کتابیں الہامی نوشتے نہیں ہیں پھر بھی یہ قرآن شریف کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

عیسائی کا جواب

عیسائی اور مسلمان دونوں اہلِ کتاب ہیں۔ دونوں اللہ کے کلام کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں۔ مسلمان کتابِ مقدّس کی عزت کرتے ہیں، خاص طور سے تورات، زبور اور انجیل۔ یہ تینوں نوشتے کتابِ مقدّس میں شامل ہیں۔ مسلمان کی یہ عزت قرآن شریف کے اُس فرمان میں ظاہر ہوتا ہے جس میں عیسائیوں اور یہودیوں کو کہا گیا ہے کہ وہ اپنے نوشتے نہ چھپائیں بلکہ دھیان دیں کہ وہ سب کو دستیاب ہوں (آل عمران 71:3)۔ عیسائی شکر گزار ہیں کہ مسلمان کتابِ مقدّس کی عزت کرتے ہیں۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں کا کھانا کھانے کی اجازت ہے۔ اِس سے آپس کی رفاقت ممکن ہے، اور ہمیں دونوں طرف سے اِس رفاقت پر زور دینا چاہیئے۔ بے شک یہ بات اچھی ہے کہ مسلمان مرد عیسائی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ لیکن عیسائی یہ سوال ضرور پوچھتے ہیں کہ اسلام کی طرف سے عیسائیوں کو مسلمان عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی؟ یہ برابر کی بات نہیں لگتی۔

سوال یہ بھی ہے کہ انکشاف کی کیا فطرت اور معنی ہیں۔ کیا ہر الٰہی مکاشفے کا ایک پہلو یہ نہیں کہ وہ مجسم ہوا ہے؟ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ کا کلام انسانی شخصیت کے ذریعے، انسانی زبان اور خیالات کی شکل میں ظاہر نہ ہو؟ نیز، ہمیں خود سے پوچھنا ہے کہ ہم کن کن اصولوں کی بنا پر قرار دیتے ہیں کہ کون سی کتابیں سچ مچ اللہ کا کلام ہیں۔

عیسائی ایمان کا مرکز یہ ہے کہ اللہ نہ صرف ایک کتاب بلکہ خود اپنے آپ کا انکشاف کرتا ہے۔ انسانوں میں اللہ خاص کر اپنے کاموں سے اپنے آپ کا انکشاف کرتا ہے۔ چنانچہ الٰہی نوشتے یہ قلم بند کرتے ہیں کہ

اللہ نے کس طرح اپنے آپ کا انکشاف کیا۔ ساتھ ساتھ وہ اِس کا الہامی بیان ہیں کہ مکاشفوں کے جواب میں انسان کا کیا ردِعمل تھا۔ عیسائی یہ نہیں سمجھتے کہ الٰہی کتابیں آسمان سے نازل ہوئیں۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس اللہ کا کلام ہے جس سے وہ شخصی طور سے انسان سے ملاقات کرکے اُسے اپنے قریب لاتا اور تبدیل کرتا ہے۔ زور اِس پر ہوتا ہے کہ انسان کا اللہ سے شخصی تعلق بحال ہو جائے اور اُس کا دل تبدیل ہو جائے۔ تب ہی وہ صراطِ مستقیم پر چلنے میں کامیاب ہو گا۔

عیسائی کا ایمان ہے کہ پوری کتابِ مقدّس کا پیغام قبول کرکے اُس پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ یہ ضروری ہے کہ پوری کتابِ مقدّس کا مطالعہ کریں تاکہ اللہ کا پیغام حاصل کرسکیں۔ عیسائی نہیں سمجھتے کہ کچھ کتابیں کسی خاص قوم کے لئے اور محدود وقت کے لئے منکشف ہوئی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بات کرتے وقت سابق نبیوں کا حوالہ لیا کرتے تھے اور اپنے پیروکاروں کو بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ خود نوشتوں کا مطالعہ کریں۔ تمام الہامی نوشتے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔

کتابِ مقدّس کے ہر ایک حصے کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ اللہ کے کامل مکاشفے کو سمجھا جا سکے۔

مسلمان کی وضاحت

مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام اصلی الٰہی کتابوں پر ایمان لائے۔ مسلمان یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ سابق الٰہی نوشتوں کے تمام عالمگیر اصولوں کا خلاصہ قرآن شریف میں ہیں۔ قرآن شریف میں الٰہی ہدایت کے تمام عالمگیر اصول عین اُسی طرح سے محفوظ ہیں جس طرح پیغمبرِ اسلام پر منکشف ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انبیا کا کردار

مسلمان کا عقیدہ

مسلمان عام طور پر اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول میں امتیاز کرتے ہیں۔ پیغمبر یا رسول الٰہی نوشتے کے ساتھ بھیجا گیا ہے کہ وہ انسان کو ہدایت دے کر اُس کی اصلاح کرے۔ اُسے ایک الٰہی کتاب عطا ہوئی ہے۔ نبی اللہ تعالیٰ کے پیغام کی منادی کرتے ہیں۔ نبیوں کو پیغمبروں کی طرح کتاب نہیں دی گئی ہے۔ تمام پیغمبر نبی ہیں، لیکن تمام نبی پیغمبر نہیں ہیں۔پیغمبر اور نبی دونوں اللہ کی طرف سے چنے گئے ہیں کہ وہ اللہ کے منکشف ہوئے پیغام (وحی) کو سنائیں۔ یہ الٰہی پیغام لوگوں کی ایک

جماعت کے لئے، ایک قوم کے لئے یا پھر تمام انسان کی راہنمائی کے لئے ہے۔

انبیا کی نوعیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے اپنے کچھ خاص بندوں کو نبوت کا خاص عہدہ عطا کیا ہے۔ وہ اِس لئے چنے گئے کہ اپنے معاشروں اور انسان کو صراطِ مستقیم پر لائیں۔ سب نے ایک ہی پیغام یعنی اسلام سنایا۔ اللہ نے اُنہیں اپنی مرضی اور اپنے مذہب کے بارے میں بہتر علم بخش دیا۔ تب اُنہوں نے انسان کو ہدایت دی کہ وہ کس طرح اچھی زندگی گزار کر موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیار ہو جائیں۔

تمام انبیا انسان تھے۔ وہ ہم سب کی طرح کھاتے، پیتے، چلتے پھرتے، سوتے، بات کرتے، سانس لیتے، دکھ اُٹھاتے اور مسئلوں کا سامنا کرتے تھے۔ وہ عقل مند، قابلِ بھروسا، علم رکھنے والے اور اللہ کے از حد فرماں بردار تھے۔ وہ اخلاقی طور سے سب سے اچھے نمونے تھے۔ یوں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے۔ (آل عمران 161:3)

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں سنجیدہ گناہوں اور بُری بیماریوں سے محفوظ رکھا۔ انبیا انسان تھے، اِس لئے سب نے اُن کی نہ سنی بلکہ اُن کے اپنے معاشروں کے کچھ لوگوں نے اُنہیں پورے طور سے رد کیا۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی اُن کو ہدایت مگر اِسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر۔ (الاِسرا 94:17)

مسلمان کی حیثیت سے نہ ہمیں انبیا کو رد کرنا چاہئے، نہ ہی اُنہیں انسان سے زیادہ سمجھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی انسانی فطرت پر زور دیا۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اُس سے پہلے بہت رسول۔ (آل عمران 144:3)

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

> تُو کہہ، مَیں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے۔ (الکہف 110:18)

لازم ہے کہ مسلمان اللہ کے تمام انبیا پر ایمان رکھیں۔ اُن میں سے کسی کی نبوت کا انکار کرنا کفر ہے۔

اللہ نے ماضی کے مختلف دوروں میں کئی ایک نبیوں کو انسان کی راہنمائی کے لئے بھیجا۔ فرق فرق نبیوں کو تقریباً ہر قوم میں کھڑا کیا گیا۔ یوں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور ہم نے اُٹھائے ہیں (بھیجے ہیں) ہر اُمت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہُرُدنگے سے (جھوٹے معبودوں سے)۔ (النحل 36:16)

قرآن شریف مزید فرماتا ہے،

> تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اُترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو اُن کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے اُن سب میں سے ایک میں بھی، اور ہم اِسی پروردگار کے فرماں بردار ہیں۔ (البقرہ 136:2)

اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی صحیح تعداد واضح نہیں ہے۔ مگر مسلم روایت کے مطابق اُن کی تعداد 1,24,000 مانی جاتی ہے۔ قرآن شریف صرف 25 نبیوں کی فہرست پیش کرتا ہے۔ مگر مسلمان کو اُن نبیوں کو بھی ماننا چاہئے جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

> اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اِس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو۔ (النسا 164:4)

درجِ ذیل اُن نبیوں کے نام ہیں جن کو قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرات آدمؑ، صالحؑ، لوطؑ، ہود، یعقوبؑ، ابراہیمؑ، یونسؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، الیعساؑ (الیشعؑ)، ذکریاؑ، ذو الکفلؑ (حزقی ایلؑ)، عیسیٰ المسیحؑ، نوحؑ، شعیبؑ، اسماعیلؑ، یوسفؑ، اسحاقؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، ایوبؑ، الیاسؑ، ادریسؑ اور محمد ﷺ۔

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور پیغمبر ہیں۔ اُنہیں تمام دنیا اور تمام زمانوں کے لئے بھیجا گیا۔

انبیا کا کردار

حضرت آدمؑ نہ صرف پہلے انسان بلکہ پہلے نبی بھی تھے۔ اللہ نے آدمؑ پر اسلام کا انکشاف کیا یعنی یہ تعلیم کہ انسان اُس کے تابع رہے جو سچا خدا، دنیا کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے، جو کائنات اور روزِ محشر کا مالک ہے۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کو فرمایا کہ انسان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اُس کی سنے جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ اللہ نے آدمؑ کو یہ عہد عطا کیا کہ اللہ سب چیزوں کا مالک ہے اور انسان اُس کا بندہ (عبد) ہے۔

حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے کچھ راست باز تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی پیروی کی۔ مگر کچھ بُرے کاموں کے جال میں پھنس گئے۔ اُنہوں نے اصلی ہدایت کو چھوڑ کر اللہ کے ساتھ ساتھ دیگر دیوتاؤں اور موریتیوں کی پرستش کی۔ انسان کی صحیح راہنمائی کے لئے اللہ نے ہر قوم کے لوگوں میں سے انبیا کھڑے کئے۔ تمام نبیوں کی بنیادی پیغام ایک ہی تھا۔ اُنہوں نے لوگوں کو تعلیم دی کہ خدا واحد ہے اور کہ اچھی، دین دار اور امن پسند زندگی گزارنے کا اجر کیا ہے۔ نیز، اُنہوں نے روزِ قیامت اور غیر ایمان داروں کی خوفناک سزا کی تعلیم دی۔ تمام نبیوں نے اِسی پیغام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں تک پہنچایا۔ اُن کی اپنی زندگیاں مثالی تھیں۔ اُنہوں نے اپنی زندگی سے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔

انبیا نے الٰہی احکام، عوامی انصاف اور لوگوں کا تعاون قائم کرنے کی کوشش کی۔ مقصد یہ تھا کہ زندگی کا ہر پہلو متاثر ہو۔ یہ کرنے میں کچھ انبیا کامیاب تھے جبکہ کچھ ناکام رہے۔ بہت لوگوں نے انبیا کو رد کیا۔ کچھ نے انبیا سے بدسلوکی کی۔ اُنہوں نے اُنہیں سزا دی، ستایا اور اُن

کی تعلیمات کو رد کیا۔ مخالفت کے باوجود بھی نبیوں نے نہ ہمت ہاری نہ غلط تعلیم سے سمجھوتا کیا۔جس کے لئے اُنہیں بھیجا گیا تھا اُس میں وہ مکمل طور سے فیل نہ ہوئے۔

کچھ انبیا خاص طور سے غور کے لائق ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کا سب سے بڑا شاہ کار یہ تھا کہ اُنہوں نے اللہ کی وحدانیت کا اعلان کیا۔ یہ اعتقاد کئی ہزار سالوں سے چلا آ رہا ہے۔ اسلام مانتا ہے کہ اللہ حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا۔

> اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر۔ (النسا 164:4)

حضرت موسیٰؑ کو کلیم اللہ کا لقب دیا گیا جس کا مطلب ہے "وہ جس سے اللہ نے بات کی۔" لیکن حضرت موسیٰؑ کی قوم سمجھتی تھی کہ اُن کی ہدایت صرف اُسی کے لئے ہے۔مسلمانوں کے خیال میں اُنہوں نے اصل شریعت کے ساتھ دیگر رسم و رواج بھی جوڑ لئے ہیں۔ تمام نبیوں کی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم نے بھی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی

منادی کی۔ اسلام کے مطابق عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی جگہ تثلیث پر زور دیتے ہوئے سمجھوتا کیا ہے۔

آخر میں اللہ نے اپنی آخری ہدایت نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ارسال کی۔ جو ہدایت تمام سابق نبیوں نے انسان کو دی تھی اُسے پیغمبرِ اسلام نے کامل طور پر بیان کیا۔ اِس آخری ہدایت کو ختمِ نبوت پر ظاہر کیا گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے 600 سال بعد پیدا ہوئے۔ حضرت محمد ﷺ وہ نبی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مشن کو اپنی زندگی کے دوران پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام یہ تھا،

> آج مَیں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر مَیں نے احسان اپنا اور پسند کیا مَیں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔ (المائدہ 3:5)

سو حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر تھے جن کے ذریعے انسان کا اصلی مذہب یعنی اسلام پورا ہوا اور مسلم قوم قائم ہوئی۔

خلاصہ

مسلمان اللہ کے اُن تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں جو حضرت محمد ﷺ سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ اُن کی عزت بھی کرتے ہیں۔ انبیا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی پیغام لے کر آئے یعنی اسلام کا پیغام۔ حضرت محمد ﷺ سب سے آخری نبی اور نبوت کا مہر ہیں۔ اُن کے ذریعے اسلام پورا ہوا۔ چونکہ وہ آخری نبی تھے اِس لئے مسلمان ہدایت کے لئے اُن ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

عیسائی کا جواب

مسلمان اور عیسائی دونوں انبیا پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ کم ازکم تیس نبیوں اور رسولوں کی تحریریں اور تعلیمات کتابِ مقدّس میں شامل کی گئی ہیں۔ کتابِ مقدّس کے نبیوں میں سے کئی ایک کا ذکر قرآن شریف میں کیا گیا ہے۔ نبیوں میں سے حضرت موسیٰؑ بہت عظیم نبی مانے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ موسیٰؑ کے ساتھ اللہ کی ملاقات کا کیا مطلب تھا؟ اِس واقعے کا ذکر توریت اور قرآن دونوں میں ہوا ہے۔ اُس وقت اللہ جلتی جھاڑی کے ذریعے حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا۔ توریت کے

مطابق اُس وقت اللہ کے ایک نئے نام کا انکشاف ہوا، اور وہ ہے "مَیں ہوں۔" عبرانی زبان میں اُسے یَہوِہ کہا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے شروع کرتے ہوئے اللہ کا خاص نام یَہوِہ رہا۔ اِس نام کا خاص تعلق اُس عہد سے ہے جو اللہ نے انسان کے ساتھ باندھا۔ اِس عہد میں اللہ ذاتی طور سے انسان سے رفاقت رکھتا ہے۔ یہ ٹھیک ٹھیک معلوم کرنے کے لئے کہ اللہ نے کس طرح اپنے آپ کا انکشاف کیا لازم ہے کہ ہم کتابِ مقدّس کے تمام حصوں کا لحاظ کریں۔

نبیوں کا پیغام ایک عظیم اور عالی شان عمارت جیسا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰؑ جیسے ابتدائی انبیا نے اِس عمارت کی بنیاد رکھی۔ بعد میں حضرت داؤد اور حضرت یسعیاہ جیسے نبیوں نے عمارت کی دیواریں بنائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس عمارت کی چھت کی مانند ہیں۔ کتابِ مقدّس کے تمام انبیائے اکرم مل کر ایک خوب صورت عمارت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ عیسائی حلیمی سے گزارش کرتے ہیں کہ تمام لوگ اللہ کے نبیوں کے پیغام پڑھ کر قبول کریں۔ عمارت کا ہر

ایک حصہ اہم ہے۔ ہر حصے کی ضرورت ہے تاکہ ہم یہ سمجھیں کہ اللہ نے اپنے آپ کا انکشاف کس طرح کیا۔

مسلمان کی وضاحت

مسلم نظر سے جلتی جھاڑی کے واقعے سے حد سے زیادہ مطلب نکالنا مفید نہیں ہے۔ گو اللہ حضرت موسیٰؑ سے جلتی جھاڑی کے ذریعے ہم کلام ہوا پھر بھی کچھ مسلمان علما کا خیال ہے کہ یہ جبرائیلؑ فرشتے کے ذریعے ہوا جو جلتی جھاڑی میں موجود تھا۔ ساتھ ساتھ مسلمانوں کا پکا یقین ہے کہ نام اللہ خدا کا سب سے اہم نام ہے۔مسلمان کا کہنا ہے کہ اللہ خدا کا سب سے بہترین نام ہے۔ اِسی نام اللہ میں ایک بے نظیر خوب صورتی پائی جاتی ہے، اور اِسی نام کے ذریعے وہ حضرت محمد ﷺ پر ظاہر ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبیوں کا مہر

مسلمان کا عقیدہ

حضرت محمد[a] ﷺ 570ء میں عرب کے تجارتی شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی والدہ آمنہ بنت وہب تھیں جو مدینہ کی رہنے والی تھیں۔ والد عبد اللہ بن عبد المطّلب تھے۔ عبد المطلب بنی ہاشم کا سردار تھا۔ بنی ہاشم قریش قبیلے کی ایک شاخ تھے۔ عبد المطلب کعبہ کا سردار محافظ بھی تھا۔ کعبہ اللہ کا گھر کہلاتا ہے جس میں حجرِ اسود ہے۔

---

[a] محمّد لفظ کا مطلب "حمد کیا ہوا" ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا بچپن بدقسمت تھا۔ پیدائش کے کچھ ہی مہینے پہلے والد عبداللہ کا انتقال ہوا۔ 6 سال کی عمر میں والدہ کا انتقال ہوا۔ پھر دادا نے آپ کی دیکھ ریکھ کی، مگر دو سال بعد اُن کا بھی انتقال ہوا۔ اِس طرح سے آپ 8 سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ پھر بھی ایسے رشتے داروں کی کمی نہ تھی جو اُن کی دیکھ بھال کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اُنہیں چچا ابو طالب کے سپرد کیا گیا۔ چچا نے اپنے بھتیجے سے پیار کا سلوک کر کے اُس کی بھرپور پرورش کی۔

محمّد ﷺ نے اپنی جوانی کے ابتدائی برس اپنے چچا کے ساتھ گزارے۔ آپ نے کام کاج میں جوش و خروش کے ساتھ اپنے چچا کا ہاتھ بٹایا۔ حضرت محمّد ﷺ محنتی تھے اور خوشی سے ہر کام کرتے تھے۔ آپ اپنے کپڑوں اور جوتوں کی مرمت اپنے ہی ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے چچا کی بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کی دیکھ بھال کرتے۔ جب چچا قافلہ لے کر روانہ ہوتے تو وہ بھی ساتھ دیتے۔ آپ نے دو مرتبہ تجارتی سلسلے میں شام کا سفر کیا، پہلی بار جب 12 برس کے تھے۔ حضرت محمّد ﷺ کبھی اسکول نہ گئے۔ آپ اَن پڑھ تھے۔ تاہم جب جوان تھے تو

مکہ کے شہری آپ کی قدر کرتے تھے، کیونکہ آپ دیانت دار اور ایمان دار تھے، اور آپ کا چال چلن اچھا تھا۔ اِس لئے آپ کو الامین کا لقب ملا جس کا مطلب ہے قابلِ بھروسا۔

پیغمبرِ اسلام کا معاشرہ

جس معاشرے میں حضرت محمّد ﷺ پیدا ہوئے اُس کے لوگ جاہل تھے۔ جہالت اور تاریکی کا زمانہ تھا۔ عرب کے لوگوں کے بہت سے دیوتا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اِن میں سے سب سے اعلیٰ دیوتا اللّٰہ ہے۔ تین اہم دیویاں بنام العزہ، المنات اور اللات تھیں۔ اُنہیں مکّہ کے باشندے اللّٰہ کی بیٹیاں مان کر اُن کی پوجا کرتے تھے۔ مکہ میں کعبہ سب طرح کی بُرائیوں سے ناپاک ہو گیا تھا۔ حضرت محمّد ﷺ کے زمانے میں کعبہ 360 بتوں کا گھر بن گیا تھا۔ سال کے ہر دن ایک خاص دیوتا کی پوجا کی جاتی تھی۔

شراب پینا، جوا کھیلنا، دھاوا بولنا، اور خونی بیر اِس معاشرے کے دستور بن گئے تھے۔ عورتیں ننگی حالت میں ناچتی اور جسم کے ہر عضو کے بارے میں گندی نظمیں لکھتی تھیں۔ معاشرے میں عورتوں کی کوئی عزت

نہیں ہوتی تھی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ لڑکیوں کی پیدائش بدقسمتی کا نشان ہے۔ یہاں تک کہ شیرخوار لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اُن دنوں میں جائیداد اہم کردار رکھتی تھی۔جتنی جائیداد کسی کے پاس تھی اُتنا ہی اُس کی قدر کی جاتی تھی۔ حضرت محمد ﷺ اِسی ماحول میں پلے بڑھے۔

حضرت محمّد ﷺ بچپن سے ہی اِس بگڑے ہوئے معاشرے سے نفرت رکھتے تھے۔ وہ اپنے لوگوں کے بُرے رویے سے دکھی اور پریشان رہتے تھے۔ تب وہ حرا پہاڑ کے ایک غار میں جانے لگے تاکہ مراقبے میں جائیں۔ ساتھ ہی وہ اپنی روزی بھی کماتے تھے۔

پیغمبرِ اسلام کی شادی

ابو طالب امیر نہیں تھے، اِس لئے اُنہوں نے اپنے بھتیجے کو ایک دولت مند بیوہ کے سپرد کیا تاکہ پیسے کما سکیں۔ اُس خاتون نے آپ کو اپنے قافلوں کا لیڈر بنایا۔ خاتون کا نام خدیجہؓ بنت خالد تھا۔ وہ دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اُن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ وہ نہایت دولت مند تھیں۔ جلد ہی معلوم ہوا کہ حضرت محمّد ﷺ ایمان دار، مہربان، ذمے دار،

سیدھے سادے اور پاک دامن ہیں۔ حضرت محمّد ﷺ کو بہترین خاصیتیں حاصل تھیں۔

اِن نادر قابلیتوں سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے شادی کرنے کی تجویز پیش کی۔ آپ نے راضی ہو کر حضرت خدیجہؓ سے شادی کر لی۔ اُس وقت آپ 25 سال کے اور حضرت خدیجہؓ 40 سال کی تھیں۔ یہ شادی پچیس سال تک قائم رہی یعنی خدیجہؓ کی موت تک۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں 7 بچے عطا کئے۔ تینوں بیٹے اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن چاروں بیٹیاں زندہ رہیں۔ پھر بھی آپ کے انتقال کے وقت صرف ایک بیٹی یعنی حضرت فاطمہؓ زندہ تھیں، اور وہ بھی چھ مہینے کے بعد فوت ہوئیں۔

شادی کے بعد حضرت محمد ﷺ زیادہ وقت روحانی تلاش کے لئے وقف کر سکتے تھے۔ قرآن فرماتا ہے،

> بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی۔ اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی۔ اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کر دیا۔ (الضحیٰ 93:6-8)

پیغمبر اسلام کی رسالت

اِس کا ذکر ہو چکا ہے کہ پیغمبرِ اسلام حرا کے غار میں مراقبے میں جانے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ماہِ رمضان کی ایک رات کو اُنہوں نے ایک زور دار آواز یہ کہہ کر سنی،

> پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔
>
> (العلق 96:1-5)

مسلمان اِس رات کو لیلۃ القدر یا شبِ قدر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ واقعہ 610ء میں ہوا جب حضرت محمد ﷺ 40 برس کے تھے۔ یہ پہلا مکاشفہ حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے نازل ہوا۔ یوں آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی مقرر ہوئے (الاحزاب 33:40)۔

آپ خوف کے مارے جلدی جلدی اپنے گھر لوٹے اور اپنی بیوی کو سارا حال کہہ سنایا۔ اُنہوں نے آپ کو تسلی دے کر یقین دلایا کہ جو کچھ اُنہوں نے حاصل کیا ہے وہ اللہ کی طرف سے سچا مکاشفہ ہے۔ یوں حضرت خدیجہؓ مکہ میں اسلام قبول کرنے کا پہلا شخص تھیں۔

اِس کے بعد دوسرا مکاشفہ جلد ہی نازل ہوا جب حضرت محمد ﷺ اپنے گھر میں کمبل اوڑھے ہوئے کانپ رہے تھے۔ حکم یہ تھا،

> اے لحاف میں لپٹنے والے۔ کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ (المدثّر 74:1-3)

آپ کو اللہ کے کلام سے چنا گیا تاکہ اُس کا پیغام پھیلائیں۔

حضرت محمد ﷺ نے اپنی خدمت کو خاموشی سے شروع کیا۔ اُنہوں نے خدائے وحدانیت کی منادی کی۔ اُنہوں نے اِس بات پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ قادرِمطلق ہے۔ وہ کائنات کا خالق اور روزِ محشر کا مالک ہے۔ قیامت کے دن ایمان دار اور راست باز جنت حاصل کریں گے جبکہ غیر ایمان داروں، بت پرستوں اور کافروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جو کہ عذاب کی بڑی ہولناک جگہ ہے۔

پیغمبرِ اسلام نے ہمیشہ صاف فرمایا کہ مَیں انسان سے برتر نہیں ہوں بلکہ مَیں صرف اللہ تعالیٰ کا ایک پیغمبر ہوں۔ قرآن شریف آپ کی انسانی فطرت کی تصدیق کرتا ہے،

> تُو کہہ دے کہ مَیں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ بُرے کا مگر [سوائے اُس کے] جو اللہ چاہے۔ ... مَیں تو بس ڈر اور خوش خبری سنانے والا ہوں ایمان دار لوگوں کو۔ (الاعراف 188:7)

پہلے تین سالوں میں مکہ کے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا۔ اُن میں سے اُن کی بیوی حضرت خدیجہؓ، اُن کے داماد حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ تھے۔ یہ سب اُن کے دوست تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبرِ اسلام کو حکم فرمایا کہ عوام میں منادی کرو۔ نتیجے میں آپ صفا پہاڑی پر گئے جو کعبہ کے سامنے ہے۔ وہاں آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی منادی کی۔ آپ نے سب کو کہا کہ اللہ کے تابع ہو جاؤ۔ اور آپ نے اُنہیں آگاہ کیا جو اِس کے لئے تیار نہیں تھے،

> کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اُس کے واسطے کہ جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ۔
>
> (الفرقان 11:25)

مخالفت اور ایذا رسانی

آپ کی منادی نے مکہ کے کئی ایک شہریوں کو جھنجھلا دیا۔ وہ سمجھ گئے کہ آپ کی منادی اُن کی طاقت کو کمزور کر دے گی۔ نیز، کعبہ کے محافظ کی حیثیت سے اُنہیں کم پیسے ملیں گے۔ اُنہوں نے آپ کو کئی طرح سے دھمکیاں دیں مگر آپ نہیں ڈگمگائے۔ اُنہوں نے آپ کو دولت، عورتوں بلکہ بادشاہ بننے کا لالچ دیا تاکہ وہ منادی کرنے سے باز آئیں۔ مگر وہ ناکام رہے۔ نتیجتاً وہ آپ کو ستانے لگے۔ کچھ کو حضرت بلالؓ کی طرح گرم ریگستان میں گھسیٹا گیا جہاں گرم گرم پتھر اُن کے سینوں پر رکھے گئے۔ بہتوں کو اُنہوں نے مار ڈالا۔ حضرت محمد ﷺ بھی مخالفت سے نہ بچے۔ مکہ کے لوگوں نے راستے میں کانٹے بچھا کر آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکا۔ طائف شہر میں آپ لوگوں کے پتھراؤ سے لہو لہان ہوئے۔

اِس کے باوجود بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ سخت مخالفت اور ستاؤ کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ نے گیارہ خاندان کو مشورہ دیا کہ وہ ایتھوپیا کے عیسائی ملک میں ہجرت فرمائیں۔ وہاں اُن کا اچھا استقبال ہوا۔ اِس کے بعد 83 اَور لوگ اُن کے پیچھے گئے جن میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ بعد میں وہ اسلام کے تیسرے خلیفہ بنے۔ مکہ کے بت پرست قریشی چاہتے تھے کہ اِن مسلمانوں کو واپس لایا جائے۔ اُنہوں نے بادشاہ کو مجبور کرنے کی کوشش کی مگر بے فائدہ۔ وہ اُنہیں نکال کر قریشیوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ ایک خدا کو مانتے تھے، اور وہ تمام نبیوں پر ایمان رکھتے تھے۔

نقصان کے باوجود پیغمبرِ اسلام نے اپنی منادی کو جاری رکھا۔ کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ساتھ ہی مکاشفے کا سلسلہ جاری رہا۔ اُس دوران دو بڑی ہستیوں نے اسلام قبول کیا یعنی حضرت عمرؓ جو بعد میں اسلام کے تیسرے خلیفہ بنے اور حضرت ابو حمزہؓ جو آپ کے چچا تھے۔ قریشی لوگ حضرت عمر سے ڈرتے بھی تھے اور اُن کی عزت بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر نے کعبہ پر نماز اور عبادت شروع کرائی۔ اِس بات

سے قریشی بہت ہی پریشان ہو گئے، اور اُنہوں نے قَسم کھائی کہ وہ مسلمانوں اور اُن کے لیڈر کو اَور ستائیں گے۔

قریشیوں نے بنی ہاشم یعنی حضرت محمّد ﷺ کے خاندان کو کہا کہ حضور ہمارے حوالہ کئے جائیں یا پھر انجام کا سامنا کریں۔ بنی ہاشم کے سرپرست ابو طالب نے انکار کر دیا۔ نتیجے میں شعیب ابو طالب کی وادی میں اُن کا حقّہ پانی بند کر دیا گیا۔ حالات 3 سال تک یوں ہی رہے۔ اِس کے عین بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ گو ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا تو بھی وہ آخر تک اپنے بھتیجے کے حق میں رہے۔ اُسی وقت نبی کریم ﷺ کی بیوی بھی فوت ہوئیں۔ آپ نے اُس سال کو "دکھ کے سال" کا نام دیا۔

معراج

اُن دنوں میں مدینہ کے کچھ لوگ اسلام کے بارے میں سن کر مکہ آئے۔ آپ سے ملنے کے بعد اُنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اُنہوں نے آپ کو دعوت دی کہ مدینہ میں قیام کریں۔ اُنہوں نے قَسم کھا کر کہا کہ ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔ مگر نبی کریم نے یہ دعوت فوراً قبول نہ کی۔

اُس وقت کی ایک رات پیغمبرِ اسلام کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔ اُنہیں ایک جانور بنام براق کے وسیلے سے یروشلم سے ہو کر ساتویں آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔[a] یہ سفر معراج کہلاتا ہے۔ اِس سفر کا جسمانی اور روحانی پہلو تھا۔ نبی کریم ﷺ کو سب کچھ دکھایا گیا جو آسمان و زمین میں پایا جاتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور تجلی کا دیدار حاصل کیا۔ یہ اللہ کی طرف سے انسان کے لئے سب سے بڑی بخشش تھی۔

معراج کے دوران اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز کا حکم صادر فرمایا۔ آپ کو دیگر سابق انبیا سے ملنے اور نماز میں امامت کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اِس تجربے سے نبی کریم ﷺ کو دکھ کے سال میں اُمید اور طاقت حاصل ہوئی۔

ہجرت

جب آپ نے پہچان لیا کہ قریشی مسلمانوں کو ختم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں تو آپ نے 200 پیروکاروں کو اجازت دی کہ وہ ہجرت کرکے

[a] چونکہ یروشلم اِس سفر کا ایک پڑاؤ تھا اِس لئے یروشلم مسلمانوں کے نزدیک مکہ اور مدینہ کے بعد تیسرا درجہ رکھتا ہے۔

یثرب (مدینہ) میں ٹھہریں جہاں اُنہیں پہلے ہی سے دعوت دی گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد آپ بھی قریشیوں سے بچتے بچتے مدینہ پہنچے۔ آپ کے قریبی ساتھی ابوبکرؓ بھی ساتھ آئے۔ وہ 622ء میں مدینہ پہنچے۔ مکہ سے مدینہ منتقل ہونے کا یہ سلسلہ ہجرت کہلاتا ہے۔

پیغمبرِ اسلام کی آمد وہاں کے شہریوں کے لئے بڑی خوشی کا باعث تھی۔ یہاں تک کہ یثرب کا نام بدل کر مدینۃ النبی یعنی نبی کا شہر رکھ دیا گیا۔ اُس کا مختصر نام مدینہ ہے۔ سولہ سال کے بعد خلیفہ حضرت عمر نے فرمایا کہ مسلم کیلنڈر ہجرت کے سال سے شروع ہو۔

ہجرت اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید میں کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں۔ اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (الانفال 30:8)

ہجرت سے ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔

جن مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت فرمایا اُنہیں مہاجر کہا گیا، اور جنہوں نے مدینہ میں اُن کا استقبال کیا اُنہیں انصار کہا گیا۔ اب مہاجر اور انصار اسلام اور آپ کی راہنمائی میں متحد ہوئے۔ یوں امت کی بنیاد رکھی گئی۔ مدینہ میں حضرت محمّد ﷺ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلمانوں کے بھی راہنما تھے۔ اب آپ نہ صرف پیغمبر بلکہ حاکم بھی تھے۔ اُنہیں مزید مکاشفے حاصل ہوتے رہے۔ اُن کا تعلق خاص کر قانون اور نظام سے تھے۔ مثلاً ماہِ رمضان کو روزوں کا مہینہ قرار دیا گیا۔ نیز، نماز کا رخ (قبلہ) یروشلم نہ رہا بلکہ مکہ مقرر ہوا۔

امت کو کئی ایک مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلام کے کچھ دشمن اُن کے درمیان اور کچھ مدینہ سے باہر رہتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے قریشیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو برباد کرنے کی سازش کی۔ اِن نازک حالات کے پیشِ نظر مسلمان جاگتے رہے۔ اُنہوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی سے برتاؤ کیا۔

مکہ کے قریشی اب بھی مسلمانوں کو ختم کرنے کے جوش میں تھے۔ تب وہ ایک ہزار فوج لے کر مسلمانوں پر چڑھ آئے۔ یہ واقعہ 624ء میں پیش آیا۔ مسلمانوں کے صرف 300 فوجی تھے۔ جنگ بدر کے میدان میں چھڑ گئی۔ مسلمان فوج مکہ کے قریشیوں پر غالب آئی۔

ایک سال کے بعد قریشیوں نے عُہد میں مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اِس بار غیر مسلمانوں نے فتح پائی۔ مگر اُن کے اِتنے فوجی زخمی ہوئے کہ جنگ کا مقصد پورا نہ ہوا۔ آخر میں مسلمانوں نے اُنہیں پیٹھ دکھانے پر مجبور کیا۔ 627ء میں قریشیوں نے مدینہ پر دھاوا بول کر اُس کا محاصرہ کیا۔ لیکن آخر کار قریشیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

628ء میں پیغمبرِ اسلام 1400 مسلمان کے ساتھ اپنے وطن مکہ کے لئے روانہ ہوئے تاکہ وہاں عبادت کریں۔ آپ نے مکہ کے قریشیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ مکہ کے قریشیوں اور مسلمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ نیز، جب مسلمان عبادت کے لئے مکہ میں داخل ہوں گے تو شہر کے باشندے تین دن پہلے شہر سے نکل چکے ہوں گے۔

معاہدے میں مزید بہت سی پیچیدہ شرائط درج تھیں جو زیادہ تر قریشیوں کے حق میں تھیں۔

تاہم قریشیوں نے معاہدے کو توڑ دیا۔ تب نبی کریم ﷺ اور مسلمان فوج نے مکہ پر حملہ کیا۔ اِس بار اُنہوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے 630ء میں مکہ شہر پر قبضہ کیا۔ شہر میں داخل ہوتے وقت آپ قرآن شریف کی درجِ ذیل آیت بولے۔

> آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ (الاِسرا 81:17)

پھر آپ کے حکم پر کعبہ کے 360 بتوں کو چکنا چور کر دیا گیا۔ اپنے دشمنوں سے آپ نے کہا، "آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ تم سب اپنے اپنے گھر جاؤ، کیونکہ تم سب آزاد ہو۔"[a] یوں مسلمانوں کو ایک اچھا نمونہ دیا گیا کہ ہارے ہوئے دشمن کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔

632ء میں حضرت محمد ﷺ 14,000 مسلمانوں کے ساتھ اپنے الوداعی حج کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ عرافات کے میدان میں آپ نے 15

[a] Ibn Sa'd, *Kitab al-Tabaqat*, Series II, Vol. 2 (Leiden, 1330 A.H.), pp 54f.

معاشرتی پہلوؤں پر زور دیا جن سے انسانی رشتے متاثر ہوتے ہیں۔ آپ نے اللہ کی وحدانیت اور اسلام کے پیغام پر زور دے کر یہ فرمایا کہ زندگی، نبیوں، عورتوں اور غلاموں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ آپ نے مسلم برادری کی اہمیت بھی چھیڑی۔ آخر میں آپ نے کہا کہ مَیں نے دو چیزیں اُمت کو میراث میں دی ہیں: اللہ کی کتاب اور اُس کے پیغمبر کی سنت۔ اُس وقت آپ کو وہ آخری مکاشفہ حاصل ہوا جس کا ذکر ہو چکا ہے (المائدہ 3:5)۔

اپنے الوداعی حج کے ٹھیک تین مہینے بعد نبی کریم ﷺ بیمار پڑ گئے۔ 632ء میں دوپہر کے ٹھیک 12 بجے آپ نماز کرتے وقت رحلت فرما گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ٹھیک کہا، "اگر آپ نے محمّد ﷺ کی پرستش کی تو وہ سچ مچ مر چکے ہیں؛ لیکن اگر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو وہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرنے کا۔"[a]

[a]Ibn Ishaq, *Sirat Rasul Allah*, transl. by A. Guillaume, 683.

نبیوں کا مہر

قرآن شریف اور خود پیغمبرِ اسلام نے صاف کہا کہ آپ صرف انسان ہیں۔ آپ نہ تو خدا ہیں، نہ اُس کے بیٹے۔ وہ صرف اللہ کے نبی ہیں جنہیں انسان کی راہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> تُو کہہ، اے لوگو، مَیں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ ... سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اُس کے سب کلاموں پر اور اُس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔ (الاعراف 158:7)

قرآن شریف کے مطابق پیغمبرِ اسلام اللہ کا تمام مخلوقات، انسانوں اور غیر انسانوں پر مہربانی کا اظہار ہیں۔

> اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہاں کے لوگوں پر۔ (الانبیا 107:21)

پیغمبرِ اسلام کا پیغام تمام سابق مکاشفوں کی تکمیل ہے۔ قرآن شریف اور پیغمبرِ اسلام اِس پر زور دیتے ہیں کہ آپ کی نبوت آخری نبوت ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مَردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مُہر سب نبیوں پر۔ اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔ (الاحزاب 40:33)

اسلام کا ایمان یہ ہے کہ حضرت محمّد ﷺ نے رسولوں کے ایک لمبے سلسلے پر مہر کر دیا ہے۔

ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف سو فی صد سچ ہے۔ اب نبیوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ آگے کے زمانے کے لئے نبیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ اُن لوگوں کی ضرورت پڑے گی جو خدا ترس، دین دار، بیداری لانے والے، اصلاح کرنے والے اور سوچنے والے ہوں۔

عیسائی کا جواب

عیسائی اور مسلمان اِس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام المسیح ہیں۔ لیکن اِس کا کیا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ المسیح ہیں؟ کتابِ مقدّس فرماتی ہے کہ المسیح تمام نوشتوں اور نبیوں کی تکمیل ہے۔ عیسائی کا ایمان یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں کے نجات دہندہ ہیں۔ المسیح نے فرمایا،

> راہ اور حق اور زندگی مَیں ہوں۔ (یوحنا 6:14)

اِس لئے عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ تمام سچائیوں کی کسوٹی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کتابِ مقدّس یہی کچھ فرماتی ہے۔

اِس لئے ہم عیسائی پیغمبرِ اسلام کا کردار پوری کتابِ مقدّس کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اور کتابِ مقدّس فرماتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے انکشاف کا عروج ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ پیغمبرِ اسلام اور قرآن شریف کچھ باتوں میں کتابِ مقدّس کی سچائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اِس کی قدر کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرکزی کردار پر زور دیتے ہیں۔

مسلمان کی وضاحت

مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دل کی گہرائی سے عزت کرتے ہیں۔ تاہم ہم یہ نہیں مانتے کہ وہ تمام دیگر نبیوں سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ ہاں، قرآن شریف فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کی آمد کی پیش گوئی کی،

> اے بنی اسرائیل، مَیں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا، اُس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوش خبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اُس کا نام ہے احمد۔ (الصف 6:61)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امت

مسلم قوم

مسلم قوم کو اُمت کہا جاتا ہے۔ اُمت دیگر کسی بھی قوم سے فرق ہے۔ وہ کسی طبقے، قومیت، نسل، قبیلے یا بولی پر منحصر نہیں ہوتی۔ اُمت کا نام نہ بانی کے نام سے جوڑا گیا ہے نہ کسی واقعے سے بلکہ یہ اللہ کی قوم ہے۔ اُمت کی زندگی اور سرگرمیاں سب اُسی کی شریعت کے تابع رہتی ہیں۔ اِسی طور سے اُمت کے ہر فرد کی گھریلو اور عوامی زندگی اللہ کی شریعت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت اُمت میں اول حیثیت رکھتی ہے۔ جو بھی اللہ نے فرمایا اُسے ہمیشہ ہی ماننا ہے جبکہ جو

بھی بات اُس نے منع کی ہے وہ ہمیشہ ہی منع ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُسے اُمت کبھی بھی منسوخ نہیں کرسکتی۔

اُمت اللہ کی طرف سے قائم کی گئی ہے۔ یوں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں بُرائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو۔
>
> (آل عمران 104:3)

قرآن شریف کی ایک اَور آیت میں اُمت کی تعریف یوں کی گئی ہے،

> تم ہو بہتر سب جماعتوں سے جو بھیجی گئی عالَم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ (آل عمران 110:3)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم قوم نیکی کو بڑھاوا دے کر بُرے کاموں سے نفرت کرتی ہے۔ مسلم قوم انصاف اور راست بازی پر قائم ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اے ایمان والو، قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا اگر کوئی مال دار ہے یا محتاج ہے تو اللہ اُن کا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے۔ (النسا 135:4)

اُمت عدل و انصاف کی خاص قدر کرتی ہے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ سب سے بڑا جہاد (یعنی اللہ کی راہ میں جد و جہد کرنا) یہ ہے کہ ایک بے انصاف راہنما کو انصاف کی بات پیش کرے۔

اُمت اتحاد اور برابر ہونے کے اصولوں سے بھی جُڑی ہوئی ہے۔ مسلم برادری اسلام میں سب سے زیادہ معاشرتی اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

مسلمان ہو ہیں سو بھائی ہیں۔ (الحُجرات 10:49)

پیغمبرِ اسلام اور امت

پیغمبرِ اسلام 622ء میں ہجرت کرکے مدینہ میں جا بسے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے آپ کا بڑے ہی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اُن کے ساتھ وہ مہاجر بھی تھے جو پہلے سے مکہ سے مدینہ میں جا بسے تھے۔ مدینہ کے لوگ خوش تھے کہ نبی ﷺ آخرکار اُن کے ساتھ رہنے کے لئے آئے ہیں۔ مہاجروں اور انصار نے حضرت محمّد ﷺ کو اپنا سردار قبول کیا۔

مدینہ میں پیغمبرِ اسلام نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ ایک مسجد تعمیر کریں جو کہ مسلم اصولوں کے مطابق ہو۔ یہ اُمت کی پہلی مسجد تھی۔ یہ اُمت کے لئے ایک اہم مرحلہ تھا۔

مدینہ میں آپ کا دوسرا کام مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین کی ضروریات پوری کرنی تھی۔ کیونکہ یہ لوگ ناداری کی حالت میں آئے تھے۔ انصار نے مہاجرین کے ساتھ اپنے مال و متاع میں سے ہر ایک چیز بانٹی۔

برادری کے اِس خوب صورت اظہار نے دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔

مدینہ میں قریشی سے محفوظ ہونے کے باعث پیغمبر اسلام آرام سے اُمت کا انتظام شریعت کی بنیاد پر قائم کر سکتے تھے۔ اللہ کی مرضی سے آپ نے مدینہ میں ایک مضبوط اُمت قائم کی۔ اُس وقت آپ نے اُمت کا اختیار اُن پر بھی جتایا جو مسلمان نہیں تھے۔ یہ ضروری تھا، کیونکہ مدینہ میں پیغمبرِ اسلام کے ماتحت بہت سے لوگوں نے اب تک اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ تین اہم گروہ مہاجر، انصار اور یہودی تھے۔ آپ نے ہر ایک گروہ کا رتبہ، حقوق اور فرائض مقرر کئے۔

نبی ﷺ نے ایک فرمان لکھوایا جس نے مدینہ کے مختلف گروہوں کے تعلقات کے قواعد قلمبند کئے۔ یہ فرمان ایک وجہ ہے کہ اُمت اپنے دشمنوں پر غالب آئی۔ فرمان میں لکھا ہے،

> بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ فرمان محمّد ﷺ اللہ کے رسول کی طرف سے تمام مومنوں کو دیا گیا ہے چاہے وہ قریشی ہوں

یا مدینہ کے رہنے والے، نیز دیگر اُن سب کو جنہوں نے اُن کا ساتھ دیا ہے۔[a]

اِس فرمان میں یہ بیان تھا کہ یہودیوں کی بے عزتی نہیں کرنی ہے۔ اُن کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہیں، اور وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مذہبی فرائض کو انجام دینے کے لئے آزاد ہیں۔ یہ حقوق یہودیوں کے اتحادیوں پر بھی لاگو ہیں۔ جنہوں نے فرمان پر دستخط کئے تھے اُن سب کے لئے مدینہ مقدس تھا۔ مگر یہودیوں اور اُن کے اتحادیوں کا فرض یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرح اپنے شہر مدینہ کا دفاع کریں۔ جو بھی دھوکا دے کر اُمت کو دشمن کے حوالے کرنے کی کوشش کرے اُس کو سزا دی جائے گی۔ تمام مسلمان ہر اُس شخص سے نفرت کریں جسے وہ مجرم، بے انصاف، بغاوتی یا دھوکے باز پائیں۔ اِس فرمان کو اِس بیان کے ساتھ ختم کیا گیا کہ آئندہ تمام جھگڑنے والے اپنے معاملے حضرت محمّد کو پیش کریں۔[b]

---

[a] A.A. Galwash, *The Religion of Islam*, Vol. I (Cairo: Supreme Council for Islamic Affairs, 1966), p 94.

[b] "Al-Medinah," *Shorter Encyclopaedia of Islam*, (London: Luzac & Co., 1956), p 294.

مکہ کی نسبت مدینہ میں نبی ﷺ کی خدمت بہت فرق تھا۔ اب محمّد ﷺ کو ستایا نہیں جاتا تھا۔ اب آپ اُمت کے سرپرست تھے۔ اب آپ اُمت کے شفیعِ اعظم اورمنصف الاعظم تھے۔ آپ کا اختیار قبیلوں کی منظوری پرمبنی نہیں تھی بلکہ اللہ کی منظوری پر۔ تمام اختیار کا سرچشمہ عوام نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ جس نے یہ اختیار کو عطا کیا۔ اُمت کی حکومت مذہبی تھی۔ اِس حکومت کے تحت مذہب اور سیاست میں امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔ انفرادی اورعوامی راہنمائی میں بھی کوئی فرق نہیں تھا۔مسلم سماج کے ہر شعبے کو شریعت سے مطابقت رکھنا تھا، چاہے وہ سیاسی یا معاشرتی ہو۔ اِسی لئے مدینہ کی مسلم فوج اللہ تعالیٰ کی فوج کہلاتی تھی اورمسلم خزانۂ ریاست اللہ کا خزانہ کہلاتا تھا۔

گو نبی ﷺ مدینہ میں حکمران تھے تو بھی وہ مزید مکاشفہ حاصل کرتے رہے۔مگر مکہ کی نسبت مدینہ کے مکاشفوں میں فرق تھا۔ مکہ کے مکاشفے خاص طور سے ایمان پر مرکوز تھے جبکہ مدینہ کے مکاشفے وسیع طور سے انسانی زندگی کے دیگر پہلوؤں سےتعلق رکھنے والے تھے جیسے کھانا پینا، شادی بیاہ، ازدواجی اور خاندانی زندگی، اخلاقیات، سلامتی اور

جنگ، بیوپار اور تجارت، ٹھیکے دار، جہاد (اللہ کی راہ میں جد و جہد کرنا)، جرم اور سزا وغیرہ۔ اِسی دوران نبی ﷺ جو بھی فرماتے تھے اُس پر عمل بھی کرتے تھے۔

مدینہ میں نبی ﷺ نے کچھ خاص فرائض قائم کئے۔ مثلاً پانچ وقت کا نماز اذان سمیت، رمضان کے روزے اور جمعے کی خاص نماز۔ اب یروشلم کے بدلے مکّہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔ اِن تمام دستوروں نے اُمت کو اتحاد دیا۔ مدینہ میں نبی ﷺ نے جو اُمت قائم کی وہ مقامی اور قومی حدود کی پابند نہ تھی۔

ابتدائی اُمت کے مسائل

گو مسلمان اُمت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے پھر بھی اندر اور باہر اُن کے کئی ایک دشمن تھے۔ پہلی قسم کے دشمن منافق کہلاتے تھے۔ گو یہ کسی طرح اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے تھے تو بھی وہ چپکے سے بت پرست رہے تھے۔ اُنہیں برداشت کیا گیا، مگر جب اُن کا سردار عبداللہ مر گیا تو یہ گروہ ختم ہو گیا۔

دوسری قسم کے لوگ یہودی تھے جنہوں نے شروع میں تو حضرت محمّد ﷺ کی محافظت قبول کی مگر صرف اپنے عارضی فائدے کے لئے۔ یہودی اصل میں مسلمانوں کے خلاف تھے، اور وہ مکہ کے قریشیوں کے ساتھ سازشیں کرنے لگے۔ مدینہ کے مسلمان اُن مخالفوں سے باخبر رہے، اور جب ضرورت پڑتی تھی تو وہ سختی سے اُن سے نپٹ لیتے تھے۔

ہجرت کے دوسرے سال میں مکہ کے قریشی ہزار فوجیوں کو لے کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ اُمت کے محض 300 فوجی تھے۔ مدینہ سے 80 میل دُور بدر کے مقام پر اُن کا آمنا سامنا ہوا۔ اُمت کے فوجی قریشیوں پر غالب آئے۔ اِس فتح نے اُمت کو دینی اور روحانی طور سے مضبوط کر کے تقویت بخشی۔

تاہم مکہ کے قریشی ابھی بھی اُمت کا صفایا کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ 625 اور 627 میں اُنہوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ مگر وہ دونوں مرتبہ اُمت کو شکست دینے میں ناکام رہے۔ اِن تمام مسائل کے باوجود اُمت دس

سالوں کے اندر اندر تمام جزیرہ نمائے عرب پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہی۔

اُمت کا پھیلاؤ

جب پیغمبرِ اسلام کی وفات 632 میں ہوئی تو اُمت ملکِ عرب میں اچھی طرح سے قائم ہو چکی تھی۔ نبی ﷺ اپنی خدمت کی عالم گیر فطرت سے خوب واقف تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ اُمت صرف ملکِ عرب تک محدود نہ رہے بلکہ ساری دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچانا تھا۔ اِس لئے آپ نے اپنے سفیر شام اور مصر بھجوا کر ملک کے راہنماؤں اور رعایا کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا عربوں پر محدود اُمت جلد ہی عالم گیر اُمت میں تبدیل ہوگئی۔ اِس میں کوئی تعجب نہیں کہ پیغمبرِ اسلام کی وفات کے بعد اُمت تیزی سے جزیرہ نما عرب کے سرحدوں سے باہر بھی پھیلنے لگی۔ یوں فرق فرق تہذیبوں، قبیلوں اور قوموں کے لوگ اُمت کی صورت میں متحد ہوئے۔ آج بھی یہ اُمت پھیلتی جا رہی ہے۔

اسلام کا عالم گیر پیغام اب دنیا کے کروڑوں لوگوں سے قبول کیا گیا ہے۔

اُمت کو قائم ہوئے 1400 سال گزر گئے مگر خاص کر دو ہی فرقے سامنے آئے ہیں: سنّی جس کی اکثریت ہے اور دوسرے شیعہ۔ تفرقے کا سبب اُمت کی راہنمائی تھا۔ شیعہ مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ اُمت کے امام کو نبی ﷺ کی نسل سے ہونا چاہیئے۔ اُن کے نزدیک یہ امام بے خطا ہے۔ اِس کے مقابلے میں سنّی کے نزدیک قوم کا اختیار شریعت کی بنیاد پر ہے جس کی تعلیم قرآن شریف سے اور اُمت کے اتفاق سے اخذ کیا گیا ہے۔ گو کہ یہ دو فرقے رہے ہیں، پھر بھی اسلام کی اُمت کی یگانگت قابلِ تعجب ہے۔

خلاصہ

اُمت مسلمانوں کی قوم ہے جو پورے طور سے اللہ کے تابع رہ کر سنجیدگی سے اُس کے پیغمبر کی تعلیم کی پیروی کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے اِس اُمت کی بنیاد کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رحم سے رکھی۔ اُمت تمام قبائلی، قومی، زبانی اور نسلی وفاداریوں سے ماورا ہے۔

عیسائی کا جواب

عیسائی اُمت کے بارے میں مسلمانوں کے تصور سے متاثر ہوتے ہیں، کیونکہ اُس میں معاشرتی، مالی، انفرادی، تہذیبی، سیاسی اور مذہبی شعبوں کے لئے پورا پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اُمت کو شریعت کے تحت لایا گیا ہے۔ یہ ایک از حد موثر حصول ہے۔

عیسائی اُمت بھی لوگوں کو فرماتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو اللہ کی سلطنت کے تابع لائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اِس سلطنت کو اللہ کی بادشاہی کا نام دیا۔ تاہم عیسائی یہ نہیں مانتے کہ اللہ کی بادشاہی سیاسی طاقت سے قائم کی جا سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دکھایا کہ اللہ کی بادشاہی کبھی بھی سیاسی طور سے نہ سنبھالی اور نہ قائم کی جا سکتی ہے۔ جب آپ کے پیروکار چاہتے تھے کہ وہ ایک سیاسی راہنما بن جائیں تو آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی سے اللہ نے ظاہر کیا کہ اپنی جان دوسروں

کے لئے قربان کرنے سے ہی اللہ کی بادشاہی دنیا میں قائم ہو جاتی ہے۔

اللہ کی بادشاہی خاموشی سے فروغ پاتی ہے۔ اُس سے اللہ کی محبت اورفضل انسانی معاشرے میں پھیل جاتی ہے۔ یہ روٹی میں خمیر، تاریکی میں روشنی یا کھانے میں نمک کی مانند ہے۔ اللہ کی بادشاہی باطنی طور سے تہذیبوں اور معاشروں میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ اِس سے بڑھ کر جب بھی کوئی اپنی زندگی کو اللہ کے بچانے والے فضل کے تابع رکھ دے تو اللہ خود موجود ہو جاتا ہے۔

ناکامل ہونے کے باوجود اُمت کو اللہ سے کہا گیا ہے کہ وہ قوموں کے درمیان اللہ کی بادشاہی کو ظاہر کرے۔ وہ راست بازی اور سلامتی کی ایسی بادشاہی ظاہر کرے جو تمام قومی اور تہذیبی نظاموں سے ماورا ہے۔ اِسے کسی مذہبی یا سیاسی نظام کے ذریعے پہچانا نہیں جا سکتا۔ اُس کا مرکز نہ کوئی خاص ملک، نہ تہذیب ہے۔ اللہ کی بادشاہی وہیں حاضر ہوتی ہے جہاں لوگوں کا اللہ اور ایک دوسرے کے ساتھ سلامتی اور شادمانی کا رشتہ ہے۔

ہم عیسائی اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے اکثر اللہ کی بادشاہی کے بارے میں غلط سوچا ہے اور اِس کا غلط مطلب نکالا ہے۔ کبھی کبھار ایسا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی بادشاہی کو ایک خاص قومی نظام یا ایک خاص مذہبی تہذیب کے برابر سمجھے ہیں۔ اِس المیہ گم راہی کا اقرار کرکے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی ہدایت اور سلامتی

مسلمان کا عقیدہ

مسلمان الٰہی ہدایت کی شدید آرزو رکھتا ہے۔ درجِ ذیل الفاظ یہ خوب بیان کرتے ہے،

> سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے
> جہان کا
> بے حد مہربان نہایت رحم والا
> مالک روز جزا کا

> تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں
> بتلا ہم کو راہ سیدھی
> راہ اُن لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ (الفاتحہ 1:1-7)

مسلمان وہ ہے جو الٰہی ہدایت کے تابع رہتا ہے۔ اطاعت میں سلامتی ہے۔

اسلام صلح سلامتی کا دین ہے

اسلام سلامتی کا راستہ ہے۔ مسلم اُمت سلامتی کی قوم ہے جو اللہ کی مرضی کے تابع رہتی ہے۔ ہر کوئی سلامتی کا تجربہ کرسکتا ہے اگر وہ واحد خدا پر ایمان رکھ کر اللہ کی مرضی اور احکام کے تابع ہو جائے۔ تابع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ایمان کا اقرار، اللہ کی کتابوں پر ایمان اور نبیﷺ اور اللہ کی شریعت کی اطاعت۔

کلمہ

سچے مومن کے نزدیک کلمہ مرکزی کردار رکھتا ہے یعنی یہ اقرار کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یعنی کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے، اور محمد ﷺ رسول اللہ ہیں۔ اللہ نے انسان کو اطاعت کا یہ عہد عطا کیا ہے۔ اللہ کے تمام انبیا حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ تک اِسی عہد کی تجدید کرنے آئے ہیں۔

جو کلمہ کو پڑھے لازم ہے کہ وہ یہ ٹھیک سمجھے کہ اللہ کون ہے۔ کہ وہ واحد خدا، خالق و مالک اور تمام کائنات کا حاکم ہے۔ وہی ماورا ہے، اور وہی تمام الٰہی صفات رکھتا ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات سے اعلیٰ و برتر ہے، اور اُس کی عبادت میں کسی اَور کو شریک کرنا سنگین گناہ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> کیا ٹھہرائے ہیں اُنہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ اُنہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش اُن کی نظر میں؟ کہہ، اللہ ہے پیدا

> کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست۔ (الرعد 16:13)

یہ واحد سچا خدا محبت رکھنے والا، سخی، فیاض، کریم النفس، رحم کرنے والا، ترس کھانے والا اور بخشنے والا ہے۔ سلامتی اُن تمام مومنوں کو حاصل ہے جو اللہ کی مرضی کے تابع رہتے، اُس کے احکام بجا لاتے اور اپنی عبادت میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتے۔

قرآن شریف

اللہ نے اپنے احکام اپنی الٰہی کتابوں کے ذریعے ظاہر کئے ہیں۔ اِن میں سے قرآن شریف اُس کا آخری مکاشفہ ہے۔ یہی سچائی کی حتمی کسوٹی ہے، اور لازم ہے کہ تمام مسلمان اِس کے اختیار کے تابع رہیں۔ مسلمان قرآن شریف میں بیان شدہ الٰہی مرضی کے تابع رہنے سے ہی سلامتی حاصل کرتے ہیں۔

سنت

اللہ کی وحدانیت اور اُس کی کتابوں کو انبیا کے وسیلے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس لئے اللہ کے سچے خادموں کو تمام انبیا اورختمِ نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ صرف وہی مومن ہے جونبی ﷺ کے تابع رہے، اُس نبی کے تابع جس سے قرآن شریف کا انکشاف ہوا۔ نبی ﷺ کی راہوں پر چلنا سنت ہے جو الٰہی ہدایت کا راستہ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اُس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اُس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اُس کے بیچ میں ایک راہ۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر، اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا اُن میں سے کسی کو اُن کو جلد دے گا اُن کے ثواب۔ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ (النسا 4:150-152)

اللہ تعالیٰ اِس کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم پورے طور سے حضرت محمد ﷺ اور تمام رسولوں کے تابع رہیں۔ چونکہ تمام پیغمبر اللہ کی ہدایت لے کر آئے اِس لئے لازم ہے کہ ہر مومن اِن پیغمبروں کی ہدایات کی فرماں برداری کرے۔ختمِ نبوت کے بارے میں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے۔
>
> (سبا 28:34)

حضرت محمّد ﷺ نے فرمایا کہ میری تام منکشف ہوئی ہدایات کو بجا لاؤ۔ اللہ کی مرضی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کی زندگی تمام انسان کے لئے نمونہ بنے۔ قرآن شریف کے بارے میں آپ کی وضاحت الٰہی حیثیت رکھتی ہے۔مسلمان نبی ﷺ کے اِن فرمانوں کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف نبی ﷺ کا مرکزی کردار یوں پیش کرتا ہے،

> تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اُس
> کے لئے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی
> اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا۔ (الاحزاب 21:33)

غرض پوری سلامتی حاصل کرنے کے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ وہ نبیﷺ پر پُرخلوص ایمان رکھے اور اُن کی تعلیم اور نمونے پر چلے۔

شریعت

چونکہ مسلم اُمت سلامتی کی قوم ہے اِس لئے اُسے سختی سے اللہ کی ہدایت کے تابع رہنا ہے۔ یہ ہدایت یعنی شریعت قرآن شریف اور نبیﷺ کی سنت دونوں میں پائی جاتی ہے۔ شریعت کے معنی ہیں "سڑک" یا "راستہ۔" شریعت ہی ایک ایسا راستہ ہے جو ہمیں سلامتی کی طرف لے جاتا ہے اگر ہم صحیح طور سے اُس پر چلیں۔ شریعت میں قرآن شریف اور سنت دونوں کی ہدایات جمع کی گئی ہیں، اور کلمہ ہی شریعت کی بنیاد ہے۔

شریعت مسلمانوں کا مذہبی قانون ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ لازم ہے کہ تمام مسلمان اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو اُس کے ماتحت رکھیں۔ جو شریعت کا انکار کرے وہ مسلم ایمان کا انکار کرتا ہے۔ شریعت سچی مسلم زندگی کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ یہی مسلم اُمت کو متحد کرتی ہے۔ سختی سے شریعت پر عمل کرنے سے مومن اِس دنیا اور آنے والی دنیا میں خوشی کی زندگی بسر کرنے کی اُمید رکھتا ہے۔ شریعت وہ راہ ہے جس سے اللہ اپنی مرضی سے انسان کی ہدایت کرتا ہے۔ شریعت سلامتی کا راستہ ہے، کیونکہ شریعت میں تمام الٰہی ہدایات جمع کی گئی ہیں۔

انفرادی عبادت

تابع ہونے کا عمل اول ایک انفرادی کوشش ہے۔ اللہ نے لوگوں کو اپنے نبیوں اور نوشتوں کے ذریعے ہدایت عطا کی ہے۔ یہ سب کچھ اُس نے اِس لئے کیا کہ انسان اُس کے تابع ہو جائے۔ لازم ہے کہ ہر مومن اُس کے تابع ہو جائے تاکہ سلامتی حاصل کرے۔

صرف ایمان ہی کافی نہیں ہے۔ لازم ہے کہ انسان اُن تمام فرائض کو نبھائے جن کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔ عبادت بہت ضروری ہے۔ عبادت

کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ ہم تمام بنیادی فرائض ادا کریں اور ساتھ ہی دیگر تمام نیک کام انجام دیں۔ عبادت میں ہم پورے طور سے اللہ کی مرضی کے تابع رہتے ہیں۔

مسلمان کا ایمان ہے کہ سلامتی صرف پورے طور سے تابع رہنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ خاص طور سے کلمہ، قرآن شریف، حضرت محمد ﷺ اور شریعت کے تابع رہنے سے۔

جو اللہ کی مرضی کے تابع ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ سلامتی حاصل نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کو عذابِ جہنم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

> میرا عذاب ڈالتا ہوں مَیں اُس کو جس پر چاہوں اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو سو اُس کو لکھ دوں گا اُن کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ (الاعراف 156:7)

خلاصہ

اللہ تعالیٰ اپنے رحم اور انصاف کی بنا پر قرار دے گا کہ کس کو عذابِ جہنم سے بچانا ہے۔ روزِ محشر کے دن کوئی بھی چیز انسان کو نہیں بچائے گی سوائے اُس کے اللہ پر پُرخلوص ایمان کے اور اللہ کے رحم کے۔ اللہ فرماتا ہے،

> تُو کہہ دے کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اُس کو جھٹلایا۔ میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو۔ حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے۔ بیان کرتا ہے حق بات، اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الانعام 6:57)

عیسائی کا جواب

عیسائی مسلمان کی طرح لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اللہ کی سلامتی حاصل کریں۔ عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ حقیقی سلامتی اللہ کے ساتھ صحیح اور پُرمسرت رشتے سے حاصل ہوتی ہے۔ کتابِ مقدّس بہت بار اللہ

کے ساتھ صلح سلامتی کے رشتے کا ذکر کرتی ہے۔ عیسائی مانتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ صلح سلامتی کا رشتہ اُس وقت قائم ہوتا ہے جب انسان گناہ سے نجات حاصل کرتا ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہماری فطرت گناہ سے اِتنی متاثر ہے کہ ہم اللہ کے تمام احکام اور مرضی کو مناسب طور سے پورا کر ہی نہیں سکتے۔ ہم مانتے ہیں کہ ہماری عبادت نامکمل اور ناکافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے انسان کے لئے ایک راستہ فراہم کیا جس کے وسیلے سے وہ نجات اور سلامتی حاصل کر سکتا ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> یہ اُس کا فضل ہی ہے کہ آپ کو ایمان لانے پر نجات ملی ہے۔ یہ آپ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی بخشش ہے۔ اور یہ نجات ہمیں اپنے کسی کام کے نتیجے میں نہیں ملی، اِس لئے کوئی اپنے آپ پر فخر نہیں کر سکتا۔ ہاں، ہم اُسی کی مخلوق ہیں جنہیں اُس نے مسیح میں نیک کام کرنے کے لئے خلق کیا ہے۔ اور یہ کام

> اُس نے پہلے سے ہمارے لئے تیار کر رکھے ہیں، کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم اُنہیں سرانجام دیتے ہوئے زندگی گزاریں۔ (افسیوں 2:8-10)

ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم سلامتی اور نجات اُس کام پر ایمان رکھنے سے حاصل کرتے ہیں جو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے ہماری خاطر کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبادت

مسلم رواج

عبادت کا مطلب اللہ کے تابع رہنا ہے۔ اِس لئے یہ سب سے اہم رواج ہے۔ عبادت اِس بات کا اقرار ہے کہ اللہ ہی مالک ہے جبکہ انسان اُس کا غلام ہے۔ جو بھی غلام اللہ کے تابع رہ کر کرے وہ عبادت ہے۔

قرآن شریف کا فرمان

> تُو کہہ دے، مجھ کو سجھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین، صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک والوں میں۔ تُو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اُس کا شریک۔ اور یہی مجھ کو حکم ہوا، اور مَیں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں۔ (الانعام 6:161-163)

اسلام میں عبادت کا تصور وسیع ہے۔ اُس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ہم پورے دل سے یہ مانیں کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔

مسلم عبادت کے تین لازمی اصول ہیں،

- اللہ کے تابع رہنا
- ایمان
- راست بازی

عبادت میں کیا شامل ہے؟ دعا، اللہ کا خوف، امید، بھروسا، آرزو، توبہ، قربانی، مَنت، فروتنی، پناہ کی فریاد، مدد کی فریاد، مناجات، احترام، اندیشہ۔ عبادت کے یہ تمام پہلو صرف اللہ کی عبادت میں شامل ہونے چاہئیں۔ لازم ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اُس کے پاس سو اُس کا حساب ہے اُس کے رب کے نزدیک۔ بے شک بھلا نہ ہو گا منکروں کا۔ (المؤمنون 117:23)

یہ اقرار کرنا ضروری ہے کہ صرف اللہ ہی حقیقی ہے۔ وہ خداوند، خالق اور رحم کرنے والا ہے۔

عبادت میں دل کی حالت

خوف مسلم عبادت کا ایک مرکزی پہلو ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے۔ سو تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران 175:3)

اِس لئے اگر آپ بھلائی کرنا چاہیں تو ہر وقت اللہ سے خوف رکھیں۔ تب ہی آپ سچی عبادت کریں گے۔

اللہ پر امید اور بھروسا بھی عبادت کے مرکزی پہلو ہیں۔ جو ہر کام میں اللہ پر پورا بھروسا اور امید رکھے وہ سچی عبادت انجام دیتا ہے۔ ایسے شخص کو اونچی روحانی عزت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

> جس نے بنائے سات آسمان تہہ پر تہہ کیا۔ دیکھتا ہے تُو رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق؟ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ؟ (الملک 3:67)

توبہ عبادت کا ایک مرکزی حصہ ہے۔ قرآن شریف نصیحت دیتا ہے کہ روزِ محشر سے پہلے ہی توبہ کرکے راست باز زندگی گزارو۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف، اور اُس کی حکم برداری کرو پہلے اِس سے کہ آئے تم پر عذاب۔ پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا۔ (الزُمر 54:39)

مناجات مسلم عبادت کا ایک نہایت اہم پہلو ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا۔ ... تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ (الفاتحہ 1:1-4)

مطلب ہے کہ مسلمان نہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اُس سے مدد مانگتے ہیں بلکہ ہر طرح سے صرف اُسی کی عبادت اور صرف اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ وہی اکیلا بندگی کے لائق ہے اور وہی

اکیلا لوگوں کی مدد کر سکتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تم کو مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرو۔"[a]

مَنت مان کر اُسے پورا کرنا بھی عبادت کا حصہ ہے۔ اُس میں لوگوں کی خدمت بھی شامل ہے۔ اگر کوئی بیوپار، مالی معاملات یا معاہدے کے سلسلے میں اپنی مَنتیں پوری کرے تو یہ بھی عبادت ہی ہے۔ اِس میں دوسروں کے ساتھ تمام تعلقات شامل ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> پورا کرتے ہیں مَنت کو اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ اُس کی بُرائی پھیل پڑے گی۔
>
> (الانسان 7:76)

اللہ میں پناہ لینا بھی عبادت کا ایک اہم پہلو ہے۔ اللہ خالق، سہارا دینے والا، حاکم اور یومِ حشر کا مالک ہے۔ اِس لئے صرف اللہ ہی ہر وقت عبادت کے لائق ہے۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ بُرائی کا

[a] البخاری، حدیث۔

سامنا کرتے وقت اللہ میں پناہ لے کر اُس کی عبادت کرے۔ اللہ اُن کی حفاظت کرتا ہے جو عبادت کے وقت اُس میں پناہ لیتے ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> تُو کہہ، مَیں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ کی۔ (الناس 114:1-2)

قربانی بھی ایک اہم عبادت ہے۔ قربانی اِس لئے نہیں ہے کہ اللہ کے غیض و غضب کو ٹھنڈا کرے کیونکہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ ہماری قربانی کے گوشت اور خون میں دل چسپی نہیں لیتا۔ جب ہم ایک جانور کو قربان کرتے ہیں تو یہ شکرگزاری کا اظہار ہے، جس کے سلسلے میں ہم قربانی کو اپنے عزیزوں میں بانٹتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہمارا یہ عمل بھی عبادت کی روح میں سرانجام دیا جائے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اللہ کو نہیں پہنچتا اُن کا گوشت اور نہ اُن کا لہو، لیکن اُس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔ (الحج 22:37)

قرآن شریف کی ایک دوسری آیت فرماتی ہے،

> تُو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اُس کا شریک۔ اور یہی مجھ کو حکم ہوا، اور مَیں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں۔ (الانعام 6:162-163)

اب ہمیں کچھ لازمی رسومات پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

مسلمان کے فرائض

ہم نے دیکھا تھا کہ عبادت انسان کی جسمانی اور روحانی زندگی کو پاک صاف کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ عبادت کس روح میں کرنی ہے۔ اِس کے علاوہ اللہ نے کچھ لازمی فرائض بھی فرمایا ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اِن میں درجِ ذیل باتیں شامل ہیں۔

- اللہ کے تابع رہ کر اُس کے فرائض کی ادائیگی
- تمام عقیدوں پر ایمان
- نیک اعمال

عبادت کے فرائض کے پانچ ستون ہیں:

- کلمہ کا اقرار یعنی یہ اقرار کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں
- نماز (صلوٰۃ)
- زکوٰۃ
- ماہِ رمضان کے روزے (صوم)
- کعبہ شریف کی زیارت یعنی حج

عبادت کرتے وقت درجِ ذیل باتوں پر ایمان رکھنا ہے:

- اللہ تعالیٰ پر
- اُس کے فرشتوں پر
- اُس کی کتابوں پر
- اُس کے رسولوں پر
- آخرت کے دن پر
- اُس کی تمام قدرت پر

ایک آخری بات: اللہ کی عبادت یوں کرنی ہے جس طرح آپ اللہ کو دیکھ رہے ہوں۔ گو آپ اُسے نہیں دیکھ سکتے مگر اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور دیکھ رہا ہے۔

اِس جگہ پر ہم فرائض کے صرف دو پہلوؤں پر دھیان دیں گے، راستبازی اور نماز۔

راست بازی

راست بازی عبادت کا ایک لازمی حصہ ہے۔ کیونکہ ہر نیک کام جو اللہ تعالیٰ کے تابع رہ کر کیا جائے وہ حقیقی عبادت ہے۔ راست بازی کا تعلق ہماری ذاتی اور عوامی زندگی سے ہے، اور ہم اُس کا ہر پہلو یہاں بیان نہیں کر سکتے۔ جب ہم غریب کی مدد کرتے، بھوکے کو کھانا کھلاتے، مریض کی مدد کرتے یا اِسی طرح کا کوئی اَور نیک کام کرتے ہیں تو یہ حقیقی عبادت ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم یہ کچھ اپنے خود غرض مقاصد پورے کرنے کے لئے نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی۔لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔ اور دے مال اُس کی محبت پر رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ۔ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔ (البقرہ 177:2)

نماز (صلوٰۃ)

نماز عبادت کی بنیادی اور سب سے اہم فرض ہے۔ حضرت محمّد ﷺ نے فرمایا، "نماز مذہب کا ستون ہے، اور جو اُسے ترک کرے وہ مذہب

کا ستون گرا دیتا ہے۔"[a] ایک اَور موقعے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "نماز عبادت کا جوہر ہے۔" نماز کرتے وقت ہی مسلمان پوری طرح سے اور عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے تابع ہو جاتا ہے۔

نماز ایک مذہبی فرض ہے۔ یہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

> اور کہتا ہے تمہارا رب، مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔ بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔
>
> (الغافر40:60)

نماز کے فرض سے ہم اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ تمام مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نماز ادا کریں۔ جو جان بوجھ کر نماز ترک کرے وہ اسلام کو ترک کرتا ہے۔

نماز مذہب کا دل اور جوہر ہے۔ عدالت کے دن دیگر فرائض سے ہی پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا۔ ایک حدیث فرماتی ہے، "جس کی

[a]Reported by Umar, *Al-Hadith*, Vol. 111 (Lahore: The Book House by Fazul Karim, N.D.), p 169.

نماز کامل قرار دی جائے اُس کے تمام اعمال اللہ کے حضور منظور ہوں گے۔"[a] اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کے بعد نماز کا فرض سب سے اہم ہے۔

مسلمان کو پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا گیا ہے، یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز۔

نماز کے دوران جو حرکتیں نمازی کرتا ہے وہ خوب اللہ تعالیٰ کے تابع رہنے کا اظہار کرتی ہیں۔ اور اُس دوران جو دعا کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے تابع رہنے میں اُس کو تقویت دیتی ہے۔ پانچ نمازوں کو ادا کرنے سے مومن نظم و ضبط اور قوتِ ارادی سیکھ جاتا ہے۔ نماز ایمان کی بنیاد کو مضبوط کرکے مومن کو نیک کام کرنے، اللہ کے تابع رہنے، سکون حاصل کرنے اور پختہ رہنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ وہ انسان کو وہ ہدایت دیتی ہے جس سے وہ صراطِ مستقیم پر چل سکے—یعنی ایمان داری، صبر، ہمت، اعتماد اور امید کی راہ پر۔

---

[a]Reported by Abi Hurairah, *Sahih Tirmidh*, (Damascus: L-lftai by Minhaji Slihin & Izudin Baliyk, N.D.), p 134.

اِس سے پہلے کہ مسلمان نماز میں اپنے آپ کو اللہ کو پیش کرے اُس کو صاف ستھرا ہونا چاہیئے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> بے شک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے۔ (البقرہ 222:2)

اسلام سب طرح کی گندگی سے جسم کی صفائی پر زور دیتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ غلط، جھوٹے اور بگڑے ہوئے عقیدوں اور رویوں پر بھی زور دیتا ہے۔ ذہن، جسم اور پوشاک کی صفائی کو طہارت کہا جاتا ہے۔ مومن صرف طہارت کی حالت میں ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اِس طہارت کو انجام دینے کے لئے کم سے کم جسم کے کھلے حصّوں کو پانی سے دھونا ہے۔ اِسے وضو کہتے ہیں۔ یہ ساری باتیں نماز کی اہمیت کا اظہار کرتی ہیں۔

اگر ممکن ہو تو نماز کو کسی جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنی ہے۔ کم سے کم جمعے کی نماز کو مسجد میں ادا کرنی ہے۔ دیگر تمام موقعوں پر اگر مسجد میں مل کر نماز پڑھنا ناممکن ہو تو مومن گھر میں یا جہاں کہیں بھی ہو یعنی

اپنی دکان پر، پارک میں، ریلوے اسٹیشن میں یا بحری جہاز پر نماز ادا کرسکتا ہے۔ بہت بارمسلمان سڑک کے کنارے نماز ادا کرتے ہوئے دِکھتے ہیں۔

مسلمان کہیں پر بھی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔ (الجن 18:72)

تاہم بنیادی بات یہ ہے کہ مومن جہاں بھی ہو نماز کرتے وقت ننگے پاؤں مکہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو اور یہ عبادت قرآن شریف کی زبان میں ادا کی جائے۔ نماز کا یہ عالم گیر رواج تمام دنیا کے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں امتیاز کرتا ہے۔ اِس رواج سے اُمت کا اتحاد ظاہر ہوتا ہے۔

ہم تمام فرائض کو تفصیل سے بیان نہ کرسکے۔ مگر نماز عبادت کا ایک مرکزی فرض ہے۔ بلکہ نماز اسلام میں عبادت کے باطنی مطلب کو ظاہر کرتی ہے۔ حقیقت میں اسلام کا مطلب عبادت ہی ہے۔ اِس عبادت سے پوری زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔ مومن اِس سے شکرگزاری سے اپنے

آپ کو پورے طور پر اللہ کے تابع رکھ دیتا ہے۔ یوں وہ اپنے ایمان کی حقیقت کی گواہی دیتا ہے۔ عبادت کے ذریعے مسلمان ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کا مطلب اطاعت اور سلامتی ہے۔

غرض ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام عبادت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ عبادت اسلام کی عمارت کے ستون مہیا کرتی ہے۔

ایک حدیث میں ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک عربی آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، "آپ مجھے ہدایت دیں تاکہ مَیں کوئی ایسا کام کروں جس سے جنت میں داخل ہو سکوں۔"

رسول ﷺ نے جواب دیا، "اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی اَور کو شریک مت کرو۔ مقررہ نماز ادا کرو۔ زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے کی پابندی کرو۔"

اُس آدمی نے کہا، "اُس کی قَسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کچھ آپ نے فرمایا اُس میں نہ مَیں اضافہ کروں گا، نہ کمی۔"

جب وہ چلا گیا تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا، "اگر تم کسی کو دیکھنا چاہو جو جنت میں داخل ہو گا تو اِسی کو دیکھو۔"[a]

غرض، اگر کوئی اِن تمام باتوں میں سے ایک بھی نہ چھوڑے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ مناسب عبادت کے وسیلے سے ہی انسان جنت کی امید کر سکتا ہے۔

عیسائی کا جواب

صحیح عبادت مسلمانوں کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ جن عیسائیوں کے مسلمان دوست ہیں وہ عبادت کے سلسلے میں مسلمانوں کی خلوص دلی اور بندگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے فرائض اہم ہیں۔ عیسائی داد دیتے ہیں کہ مسلم عبادت کا مرکز اللہ کے تابع رہنا ہے۔ مسلمانوں کی بندگی کو دیکھ کر ہمیں بھی سوال کرنا چاہئے کہ کیا ہماری عبادت بھی مناسب نظم و ضبط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے؟

---

[a] البخاری، حدیث۔

ہم عسائیوں کو عجیب لگتا ہے کہ جمعے کی نماز میں خواتین شامل نہیں ہوتیں۔ عیسائی جماعت میں سب ہی شامل ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سامنے سب برابر ہی ہوتے ہیں۔ سب مل کر خدا کی پرستش کرتے ہیں۔

ساتھ ساتھ توریت و انجیل فرماتی ہے کہ ہم عبادت کے تمام رسم و رواج سے بڑھ کر اللہ کے ساتھ رفاقت رکھیں۔ کہ ہمارا اللہ کے ساتھ شخصی تعلق قائم ہو جائے۔ ہماری عبادت کے طرزِ عمل اور رواج اِتنی اہمیت نہیں رکھتے جتنی ہمارے دل کی حالت۔ زیادہ اہم یہ ہے کہ عبادت کرتے وقت ہمارا رویہ، دل کا رجحان کیا ہے۔ ہم کس نیت سے عبادت کرتے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ہم یہ جان کر اللہ کی پرستش کریں کہ وہ ہمارا آسمانی باپ ہے۔ ہمیں دعوت دیا جاتا ہے کہ ہم اپنے آسمانی باپ کی پرستش روح اور سچائی سے کریں۔ ہم کو دعوت دی جاتی ہے کہ ہم خوشی منا کر مل کر اللہ کی پرستش کریں، یہ جانتے ہوئے کہ اُس نے اپنے فضل اور محبت سے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہے۔

یہی سبب ہے کہ عشائے ربّانی مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اِس میں ایمان دار اللہ کے حضور ایک دوسرے کے ساتھ روٹی کھا کر اور انگور کا رس پی کر رفاقت رکھتے ہیں۔ یہ عیسائی عبادت کا سب سے گہرا اور معنی خیز اظہار ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارا پیار کرنے والا آسمانی باپ اپنے فضل سے ہمارے بیچ میں حاضر رہتا ہے۔

جب ہم اللہ کی حضور عبادت کرتے ہیں تو مسلمان اور عیسائی دونوں کو یاد دلائی جاتی ہے کہ صرف وہ عبادت اللہ کو منظور ہے جو صحیح نیت سے کی جائے۔

مسلمان کی وضاحت

بے شک مسلمان عبادت کے صحیح طرز پر بہت زور دیتے ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اِس کی خاص فکر ہے کہ عبادت کرتے وقت اُس کا رویہ اور نیت بھی ٹھیک ہو، کہ وہ دل کی گہرائی سے اللہ کے تابع ہو۔ مسلم عبادت میں صحیح رواج اور صحیح نیت دونوں ہی ضروری ہیں۔ مسلم عبادت میں راست بازی کا پہلو صحیح رویے اور نیت پر زور دیتا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب
کی لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر۔

(البقرہ 177:2)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چال چلن

ٹھیک چال چلن

قادرِ مطلق نے حضرت محمّد ﷺ پر شریعت کی ابدی کسوٹی کا انکشاف کیا۔ یہی مسلم چال چلن کی بنیاد ہے۔

شریعت کیا ہے؟

شریعت کے معنی ہیں "راستہ جس پر چلنا ہے۔" یہ راستہ انسان کو اطاعت کی طرف لے جاتا ہے۔ شریعت وہ الٰہی قوانین ہے جن کا انکشاف حضرت محمّد ﷺ پر ہوا تاکہ مسلم قوم کی راہنمائی ہو۔ اِن میں تفصیل سے فرمایا گیا ہے کہ مسلم چال چلن انفرادی اور عوامی طور پر کس طرح

ہونا چاہیئے۔ قوانین کا یہ عالم گیر نظام مسلم چال چلن کو اچھی طرح بیان کرتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کو امت کی صورت میں متحد کرتا ہے، چاہے وہ مسلم یا غیر مسلم ملک میں رہیں۔ شریعت کے وسیلے سے ہی اسلام ایک ہی قوم، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی عالم گیر نظام بن گیا۔

شریعت میں کیا پایا جاتا ہے؟

شریعت میں انسانی عمل کے ہر ایک پہلو پر دھیان دیا گیا ہے، چاہے وہ دنیاوی ہو یا روحانی۔ شریعت بیان کرتی ہے کہ سیاسی، مالی اور معاشرتی معاملوں کو کس طرح چلانا ہے۔ عبادت کے طرز طریقے اور دین کا معیارِ زندگی شریعت میں پائے جاتے ہیں۔ شریعت فرماتی ہے کہ انسان اپنی زندگی کس طرح اللہ کی مرضی کے مطابق اور اپنی بہتری کے لئے چلائے۔

مثلاً اُسے تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی، اپنے ماں باپ اور اپنے ماتحت کے لوگوں سے کیسا برتاؤ کرے۔ اُس کو نہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ رحم کرے بلکہ یہ بھی کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں کس طرح رحم کرے۔ اُسے بتایا گیا ہے کہ کھانا کیسے کھانا ہے، مہمان

نوازی کیسی کرنی ہے، خرید و فروخت کیسا کرنا ہے، جانوروں کو کیسا ذبح کرنا ہے، خود کو کیسا پاک صاف رکھنا ہے، کیسا سونے اور حاجت سے فارغ ہونا ہے، حکومت کیسی چلانی ہے، مقدمے کی کارروائی کیسی کرنی ہے، اور نماز اور عبادت کے دیگر کاموں کو کیسا انجام دینا ہے۔

اسلام میں ذاتی اور عوامی چال چلن میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ شریعت انسان کو ہدایت دیتی ہے کہ وہ کس طرح اپنی پوری زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق چلائے۔ شریعت کے مطابق انسان کی روزمرہ کی زندگی مذہبی ہی ہوتی ہے۔ شریعت انسان کے لئے صحیح اور کامل قانون ہے۔

پوری زندگی کا کامل قانون ہونے کے باعث شریعت صاف بتاتی ہے کہ زندگی کے کون سے کام فرائض ہیں، مثلاً نماز؛ کون سے کام حرام ہیں مثلاً شراب پینا؛ کون سے کام سنت قرار دیئے گئے ہیں مثلاً فالتو نماز؛ کون سے کام مکروہ قرار دیئے گئے ہیں مثلاً حد سے زیادہ کھانا؛

اور کون سے کاموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا (مُباح) مثلاً پیدل سفر کرنا یا گھوڑے پر سوار ہو کر سفر کرنا وغیرہ۔

شریعت کے سرچشمے

شریعت کا سب سے اہم سرچشمہ قرآن شریف ہے جو کامل اور آخری مکاشفہ ہے۔ ہر ایک لفظ جو عربی قرآن میں پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا وہ ایمان اور چال چلن کے ہر معاملے کا کامل حل مہیا کرتا ہے۔ قرآن شریف میں پوری شریعت کے اصول پائے جاتے ہیں گو یہ صرف قوانین کی کتاب نہیں ہے۔

گو قانون کے تمام اصول قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں پھر بھی تمام اصول کا مفصل بیان نہیں فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اُنہیں تفصیل سے بیان کیا جائے۔ جو کچھ حضرت محمّد ﷺ نے شریعت کے بارے میں فرمایا وہ سب سے اہم ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر۔ (النور 62:24)

ایک دوسری آیت میں قرآن شریف فرماتا ہے،

> بھیجا تھا اُن کو نشانیاں دے کر اور ورقے (اوراق) اور اُتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تُو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اُتری اُن کے واسطے تاکہ وہ غور (دھیان) کریں۔ (النحل 44:16)

غرض رسول ﷺ کو قرآن شریف کی وضاحت کرنے کی الٰہی حکمت اور اختیار حاصل تھا۔ یوں قرآن شریف فرماتا ہے،

> پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر [سوائے اِس کے کہ] پہنچا دینا کھول کر۔ (النور 54:24)

جب رسول ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کے قریبی ساتھیوں نے آپ کے تمام قول اقوال اور ہدایات یعنی احادیث اور آپ کا چال چلن

یعنی سنت محفوظ رکھے۔ بعد میں علما نے اِن تمام باتوں کو جانچ پرکھ کر کتاب کی شکل دی۔ اِن کتابوں کو احادیث کہا جاتا ہے۔ یہ قرآن کی تشریح و تفسیر کرتی ہیں۔ حدیث کی یہ کتابیں جن میں سنت اور حدیث دونوں پائی جاتی ہیں شریعت کا دوسرا سرچشمہ ہیں۔ یہ دو چیزیں شریعت کے سرچشمے ہیں۔

مسلم علما نے شریعت کو تکمیل تک پہنچایا اور اُسے نظم و ترتیب دی۔ اُنہوں نے قرآن شریف اور حدیث کی بنیاد پر شریعت لکھی۔علما نے شریعت کے قواعد کو اُمت کے اتفاقِ رائے (اجماع) اور قیاس کی بنا پر قائم کیا۔ اِس طریقے سے شریعت قائم کی گئی۔ یوں شریعت کے چار نظاموں کا فروغ ہوا ہے،

- حنفی
- مالکی
- شافعی
- حمبلی

شریعت کے یہ چار نظاموں میں تھوڑا بہت فرق ہیں، مگر اِن سب کا سرچشمہ قرآن شریف اور حدیث ہیں۔

شادی

شادی کے اصول اِس کی ایک اچھی مثال پیش کرتے ہیں کہ شریعت کامل ہدایت دیتی ہے۔ شریعت شادی کے رشتے کے ہر ایک پہلو پر ہدایت دیتی ہے۔ اسلام میں شادی ایک سنجیدہ معاہدہ ہے۔ گو ایک بیوی سے شادی بہتر ہے تاہم اسلام مناسب حالات میں کثرت الازواج یا طلاق کی اجازت دیتی ہے۔ شریعت شادی کے معاہدے اور طلاق کی کارروائی کی ہر ایک تفصیل کو پیش کرتی ہے۔ وہ کثرت الازواج کے گھرانے میں بیویوں کے حقوق بھی تفصیل سے قرار دیتی ہے۔

کثرت الازواج کا رواج قدیم زمانے سے لے کر آج تک جاری رہا ہے۔ اسلام نے اِس رواج کو نظر انداز نہ کیا بلکہ اِس کے قواعد بھی پیش کئے۔ چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن یہ اجازت

نہ تو ایمان کا ستون ہے اور نہ عبادت کا عمل ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو تین تین چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ اُن میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔ اِس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔ (النسا 3:4)

زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اِس شرط پر کہ چاروں بیویوں سے برابر محبت کی جائے اور ہر بات میں ہر ایک کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے۔ عبد اللہ یوسف فرماتے ہیں، "چونکہ اِس شرط کو پورا کرنا مشکل ترین ہے اِس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ ایک بیوی پر ترجیح دی جاتی ہے۔"[a]

[a]Abdallah Yusuf Ali, *The Holy Qur'an*, (Beirut: Dar al Arabia, 1968), p 179.

شریعت کثرت الازواج کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ اِس رواج کو ختم کرنا مشکل تھا، اِس لئے اسلام نے اُس کی اجازت دی۔ تاہم اُس نے اُس کی شرائط اور حدیں پیش کیں۔

اخلاقیات

شریعت کے علاوہ مسلم چال چلن کی بنیاد اخلاقی تعلیم ہے۔ اخلاقی اصول مسلم تعلیم میں اِتنی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں کہ قرآن شریف قدم بہ قدم اِن کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اِن میں سے کچھ یہ ہیں: وفاداری، ایمان داری، حلیمی، عصمت، نرم مزاجی، خیرات، شرافت، محبت، معافی، بھلائی، ہمت، ہم دردی، انصاف، کھراپن، فرماں برداری، تابع داری، قدردانی، مہربانی اور ثابت قدمی۔

یہ اخلاقی اصول بیان کرتے ہیں کہ انسان کا اللہ سے کیا رشتہ ہونا چاہئے، انسان کا دوسرے انسان سے کیا رشتہ ہونا چاہئے، انسان کا دیگر مخلوقات سے کیا رشتہ ہونا چاہئے اور انسان کا اپنی خودی سے کیا رشتہ ہونا چاہئے۔ یہ اصول لوگوں کو سکھاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو چوٹ نہ پہنچائیں بلکہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں۔

قرآن شریف اِس کا خلاصہ یوں فرماتا ہے،

> اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اُس کا کسی کو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہم سایہ قریب اور ہم سایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ۔ (النسا 36:4)

یہ اخلاقی اصول اِس پر زور دیتے ہیں کہ لوگ واحد خدا کی فرماں برداری کرکے اُس سے محبت رکھیں۔ لوگوں کو اللہ کی مرضی کے تابع رہنا چاہیئے۔ تابع رہنے سے اخلاقی خوبیوں کو تقویت ملتی ہے۔ اِن خوبیوں میں یہ شامل ہے کہ ہم اپنے رشتے داروں، ماں باپ، پڑوسیوں اور اجنبیوں پر مہربانی اور محبت کا اظہار کریں۔ انسان دوسروں کے حقوق قائم رکھے۔ وہ ایمان دار ہو، اپنے تمام وعدوں کو پورا کرے اور اپنے گناہوں کو تسلیم کرے۔ وہ اپنی روزی خود کمائے۔

اس اثباتی تعلیم کے علاوہ جس کے تحت انسان اللہ کی مرضی کے تابع رہ کر نیک کام کرتا ہے ایسے اصول بھی ہوتے ہیں جو انسان

کی حفاظت کے لئے دیئے گئے ہیں۔ اِن پر عمل کرنے سے انسان دوسروں کو چوٹ پہنچانے سے اور دوسروں کی جائیداد کو نقصان پہچانے سے بچتا ہے۔ درجِ ذیل کچھ مثالیں دی گئی ہیں۔

پاک دامنی

مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اجنبی عورتوں کو بُری نیت سے نہ دیکھے۔ وہ گندی کہانیاں نہ سنے۔ اسلام میں شادی شدہ رشتے کے علاوہ دیگر تمام جنسی تعلقات کی مناہی ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو اُن پر نہیں کچھ الزام۔ (المومنون 23:5-6)

عوام میں کپڑے پہننے کا سلیقہ بھی فرمایا گیا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اُس میں خوب ستھرائی ہے۔ اُن کے لئے بے شک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھائیں اپنا سنگار مگر [سوائے اِس کے کہ] جو کھلی چیز ہے اُس میں سے۔
>
> (النور 24:30-31)

یہ عصمت مومن کی مدد کرتی ہے کہ اعلیٰ دینی اخلاق کو حاصل کریں۔

ایمان داری

مسلمان سب باتوں میں ایمان دار اور وفادار رہے۔ جو کچھ بطور امانت اُسے سونپا جائے اُس میں وہ خیانت نہ کرے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کا مال اور بدل نہ لو بُرے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ اُن کے مال۔ اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال۔ (النسا 2:4)

دوسری آیت میں اللہ فرماتا ہے،

> پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے۔ اور تُولو سیدھی ترازو سے۔ (الشعرا 26:181-182)

قرآن کی یہ تعلیم لوگوں کی مدد کرتی ہے کہ ایمان دار رہتے ہوئے ہر طرح کی بدعنوانی سے محفوظ رہیں۔

صلح سلامتی

اسلام کا مطلب ہی ہے اطاعت اور سلامتی۔ سلامتی ایک نہایت اہم دینی اخلاقی اصول ہے۔ مسلمان کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سلامتی سے گزر بسر کریں

> بے شک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے مسلمان ہو ہیں سو بھائی ہیں۔ (الحجرات 49:9-10)

سلامتی کے معنی ہیں کہ انسان اپنے ہم انسان کو چوٹ نہ پہنچائے۔

شائستگی

مسلمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اخلاق میں شائستگی اختیار کرے۔ اُنہیں بدگمانی، شائبہ اور فضول بکواس سے پرہیز کریں۔ اِس کے بارے میں قرآن شریف نصیحت کرتا ہے کہ

> اے ایمان والو، بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے۔ مقرر بعضی تہمت گناہ ہے۔ اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور بُرا نہ کہیو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔ (الحجرات 49:12)

صحت اور غذا

عصمت، ایمان داری، سلامتی اور شائستگی انسان کو تربیت دیتی ہیں کہ دوسروں کو چوٹ نہ پہنچائے۔ ایسے اصول بھی ہیں جن پر عمل کرنے

سے ہم اپنے آپ کو چوٹ پہنچانے سے بچتے ہیں۔ یوں کچھ چیزیں منع بھی ہیں: ہر قسم کی نشہ بخش چیز (البقرہ 2:219؛ المائدہ 5:93-94)؛ سور کا گوشت یا اُس سے بنی ہوئی تمام مصنوعات، پنجہ رکھنے والے جنگلی جانور، تمام جنگلی پرندے جو مردار کھاتے ہیں؛ مرے ہوئے جانور کا گوشت، سب طرح کے سانپ، کیڑے مکوڑے اور اُن جانوروں کا گوشت جو مناسب طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو (البقرہ 2:172-173؛ بمقابلہ النسا 5:4)۔ یہ اخلاقی اصول اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ وہ اخلاق میں اور اپنی شخصیت میں اللہ تعالیٰ کی عین مرضی کے موافق ترقی کرے۔ یہ اعلیٰ اخلاقی اصول ضروری ہیں تاکہ انسان صراطِ مستقیم پر چلتا رہے۔

خلاصہ

اخلاقی اصول کے بغیر اسلام ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اُس کے اخلاقی اصول ہی انسان کے چال چلن کی بنیاد ہوتے ہیں۔ مسلم چال چلن پیدا کرنے کے لئے دونوں ہی لازم ہیں۔

عیسائی کا جواب

ہم کس طرح راست باز بنتے ہیں؟ اسلام اِس بات کو پہچانتا ہے کہ قوانین اور اخلاقی اصولوں کی تعلیم کئی طریقوں سے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اخلاقی اور معاشرتی قواعد کافی ہیں؟ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> چنانچہ اپنے پرانے انسان کو اُس کے پرانے چال چلن سمیت اُتار دینا، کیونکہ وہ اپنی دھوکے باز شہوتوں سے بگڑتا جا رہا ہے۔ اللہ کو آپ کی سوچ کی تجدید کرنے دیں۔ اور نئے انسان کو پہن لیں جو یوں بنایا گیا ہے کہ وہ حقیقی راست بازی اور قدوسیت میں اللہ کے مشابہ ہے۔ (افسیوں 4:22-24)

> کیونکہ شریعت کے تقاضے پورے کرنے سے کوئی بھی اُس کے سامنے راست باز نہیں ٹھہر سکتا، بلکہ

شریعت کا کام یہ ہے کہ ہمارے اندر گناہ گار ہونے کا احساس پیدا کرے۔ لیکن اب اللہ نے ہم پر ایک راہ کا انکشاف کیا ہے جس سے ہم شریعت کے بغیر ہی اُس کے سامنے راست باز ٹھہر سکتے ہیں۔ توریت اور نبیوں کے صحیفے بھی اِس کی تصدیق کرتے ہیں۔ راہ یہ ہے کہ جب ہم المسیح پر ایمان لاتے ہیں تو اللہ ہمیں راست باز قرار دیتا ہے۔ اور یہ راہ سب کے لئے ہے۔

(رومیوں 3:20-22)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمت کا مشن

اُمت کے کام

قرآن شریف کے پہلے دو مکاشفوں میں پیغمبرِ اسلام کو منادی کرنے کا حکم دیا گیا۔ کوہِ حرا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو فرمایا کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو۔ اِس مکاشفے کے ذریعے آپ کو پیغمبر ہونے کی بلاہٹ ملی۔ دوسرے الٰہی مکاشفے نے فرمایا،

> اے کپڑے میں لپٹنے والے، کھڑا رہ رات کو مگر کسی
> رات ... اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف۔
>
> (المزمل 73:1-4)

یوں حضرت محمّد ﷺ کو حکم ملا کہ اللہ کے پیغام کی منادی کریں۔ آپ کو کھلے عام اللہ تعالیٰ کے نام کا اعلان کرنا تھا۔ اِس مکاشفے کے وسیلے سے آپ کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہونے کی بلاہٹ حاصل ہوئی۔

پیغمبر اسلام کا مشن

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منصوبے کے مطابق آپ کا مشن معقول اور کامیاب رہا۔ سب سے پہلے آپ کو حکم ملا کہ اپنے قریبی رشتے داروں کو آگاہ کریں، پھر اپنی قوم کو اور پھر اُن عربوں کو جو آپ کے چاروں طرف آباد تھے۔ پھر آپ کا مشن عرب کے چاروں طرف پھیل گیا اور پھر دنیا کے کئی ایک ممالک میں۔ حضرت محمّد ﷺ کا مشن جاننے والوں سے لے کر انجان لوگوں تک شروع کیا جانا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

> ہم نے اُس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو۔
>
> (یوسف 2:12)

اور دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے،

> سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے اِسے تیری بولی میں تاکہ وہ یاد رکھیں۔ (الدُخان 58:44)۔

حضرت محمّد ﷺ نے مکہ میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے پیغام کی منادی کی۔ آپ نے غیر مومنوں کو روزِ محشر کی حول ناک سزا کے بارے میں آگاہ کیا۔ آپ نے مکہ کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جائیں۔ قریش کی اکثریت نے کھلے طور پر آپ کے پیغام کو رد کیا۔ حضرت محمّد ﷺ اور اُن کے پیروکاروں کو سخت ستایا گیا۔ قادرِ مطلق نے آپ کو حکم دیا کہ خود سے خاطر جمع رکھو اور صبر کرو۔ جب ایذا رسانی حد سے زیادہ بڑھنے لگی تو اللہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ ہجرت فرماؤ۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید میں کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (الانفال 30:8)

مدینہ میں نبی ﷺ نے مومنوں کو ایک برادری، ایک اُمت میں جوڑا۔ مسلمانوں کو جلد ہی معلوم ہوا کہ اُمت کے بہت سارے دشمن اُن کے اندر اور باہر ہیں۔ اُس وقت پیغمبرِ اسلام کو حکم ملا کہ اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اُن سے گریز کرو جنہوں نے تم سے جنگ نہیں چھیڑی۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تُو بھی جھک اُسی طرف اور بھروسا کر اللہ پر۔ بے شک وہی ہے سننے والا، جاننے والا۔ (الانفال 61:8)

مسلم قوم کو شروع سے ہی یہ حکم دیا گیا کہ اپنی طرف سے جنگ نہ چھیڑیں، نہ ہی لوگوں کے خلاف دشمنی یا عداوت رکھیں۔ لیکن اُن کو

مضبوطی سے کھڑے ہو کر مخالفوں کا سامنا کرنا تھا یعنی اُن کا جو اُمت اور انسانیت کے خلاف ظلم وستم کرتے ہیں۔

اُمت کے مشن کو پھیلاتے وقت مسلمانوں کو نبی ﷺ کی تعلیم اور اچھے نمونے پر چلنا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو۔ (النور 62:24)

مسلمان سمجھتے تھے کہ حضرت محمّد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، کہ آپ واحد نبی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے مشن کو پورا کیا۔ وفات پانے سے کچھ ہی پہلے آپ کو آخری مکاشفہ حاصل ہوا جس میں کہا گیا کہ

> آج مَیں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر مَیں نے احسان اپنا اور پسند کیا مَیں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔ (المائدہ 3:5)

آپ کی وفات کے وقت آپ نے مومنوں کی اُمت قائم کی تھی۔ آپ نے اسلام کا مکمل نمونہ بھی فروغ دیا تھا جس پر لوگ چل سکیں۔ حضرت محمد ﷺ کے بعد اُمت نے تبلیغ کی ذمے داری اُٹھا کر اسلام کا مکمل پیغام پوری دنیا میں پھیلایا۔

اسلام کا پھیلاؤ

قرآن شریف اور حضرت محمّد ﷺ نے یہ بات صاف بتائی کہ یہ پیغام تمام انسان کے لئے ہے۔ کئی ایک حوالوں میں قرآن شریف بنی آدم یعنی انسان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن شریف کا پیغام عالمگیر ہے اگرچہ عرب کے لوگوں نے یہ پہلے ہی سنا۔ وہ تمام انسانی نسل سے مخاطب ہو کر بیان کرتا ہے کہ اللہ کون ہے اور اُس کی انسان کے لئے کیا مرضی ہے۔ قرآن شریف اِس دنیا میں لوگوں کا سچا راہنما ہے۔ یہ اُنہیں دوسری دنیا کی خوش خبری سناتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلیں۔ وہ فرماتا ہے،

> یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے۔ جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے۔ (التکویر 81:27-28)

دوسری آیت میں قرآن شریف کو یوں بیان کیا گیا ہے،

> یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تُو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف۔
>
> (ابراہیم 14:1)

شروع سے لے کر آخر تک آپ کبھی نہ بھولے کہ آپ کا مشن عالم گیر ہے چاہے آپ اپنے رشتے داروں سے مخاطب تھے، چاہے عرب کے باشندوں یا دیگر لوگوں سے۔ اسلام کا مشن یہی پیغام ہے کہ ہم اُس کے تابع ہو جائیں جو واحد اور سچا خدا ہے، جو خالق اور ساری دنیا کا سہارا دینے والا قادرِ مطلق ہے۔مسلمانوں کو یہ عظیم ذمے داری دی گئی ہے کہ پوری دنیا کو اسلام کا پیغام سنا کر اُسے جھوٹے معبودوں کی غلامی سے چھڑائیں۔ یہ ذمے داری ہر مومن کا فرض ہے۔ اِس میں وہ حضرت محمد ﷺ کے اچھے نمونے پر چلتے ہیں۔

جہاد

جہاد (جد و جہد کرنا) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام کو جنگ کے ذریعے پھیلانا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اسلام متعصب ہے اور تلوار کے ذریعے پھیلایا گیا ہے وہ اسلام اور اُس کا مشن ٹھیک نہیں سمجھتے۔ جو یہ کہتے ہیں اُن کو یاد دلایا جائے کہ عیسائیت کے نام سے کتنا قتل و غارت ہوا ہے۔ مثلاً وہ قتل و غارت جو بازنطینی شہنشاہ جسٹینین کے تحت (562-527)، رومی شاہنشاہ کلوویس (511-466) کے تحت اور صلیبی جنگوں کے دوران ہوا، خاص کر جب عیسائیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا۔ اِس کے مقابلے میں اسلام ذاتی اور عوامی شعبوں کا امتیاز نہیں کرتا، دنیوی اور روحانی شعبوں کا امتیاز نہیں کرتا۔ اِس لئے شریعت جنگ کے احکام بھی پیش کرتی ہے۔

قرآن شریف کی کئی ایک آیتیں بیان کرتی ہیں کہ جب تک بے انصافی اور ظلم و ستم دنیا میں برقرار رہتا ہے، اُس وقت تک جنگ زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک۔لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر۔ (البقرہ 251:2)

ایک اَور آیت فرماتی ہے،

> اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت۔
> (طٰہٰ 40:22 بمقابلہ البقرہ 216:2)

اسلام تسلیم کرتا ہے کہ جنگ ضروری ہے۔ اِس لئے اُس نے جنگ کو قانون کے ماتحت بھی کیا ہے۔

تاہم اسلام جنگ کے ذریعے اُمت کے پھیلاؤ کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ بدقسمتی سے بہت سے غیرمسلمان سمجھتے ہیں کہ اسلام جہاد کی وجہ سے اِتنی جلدی سے پھیل گیا۔ جہاد لفظ سے اکثر مسلمان اورغیرمسلمان دونوں ہی مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ جہاد کیا ہے؟ عربی زبان میں جہاد

کا مطلب یہ ہے کہ پوری طاقت سے دشمن کو دفع کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاطر جد و جہد کرنا ہے۔

اللہ کی خاطر جد و جہد کرنے کی تین اقسام ہیں۔ پہلے، ایک ظاہری دشمن کے خلاف جد و جہد۔ دوسرے، ابلیس کی آزمائشوں کے خلاف جد و جہد۔ اور تیسرے، اپنے منفی جذبات کے خلاف جد و جہد۔ جہاد کرتے وقت لازم ہے کہ مسلمان اپنے وقت، علم، طاقت، املاک، خوبیوں اور تمام ذرائع کو کام میں لا کر اللہ کی خاطر جد و جہد کریں۔ یہ ہے جہاد کے اصلی معنی۔

اسلام کے مطابق جنگ صرف دو مقاصد کی بنا پر جائز ہے۔ پہلے، اپنی بچاؤ اور دوسرے، انصاف، آزادی اور امن و امان کی بحالی۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نہ وہ اپنی طرف سے جنگ کریں، نہ ہی دشمن کے دباؤ یا حملے کو قبول کریں۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے۔ ... اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے

> فساد اور حکم رہے اللہ تعالیٰ ہی کا۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔ (البقرہ 2:190-193)

یہ اسلام میں جنگ کی شرط ہے۔ نہ جنگ اسلام کا مشن ہے، نہ ہی یہ اُمت کے لئے معمول کا کام ہے۔

اسلام صلح سلامتی کا دین ہے

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ انسان کو اللہ کی مرضی کے تابع رہنا ہے۔ جب مسلمان "السلام علیکم" کہتا ہے تو اِس کا مطلب ہے، "اللہ کی سلامتی تم پر ہو۔" اسلام دنیا میں سلامتی لانا چاہتا ہے۔ اسلام کبھی بھی اُن غیر مسلمانوں کے خلاف قدم نہیں اُٹھائے گا جو اُس سے نہیں لڑتے، چاہے وہ اُس کی باتیں مانتے ہوں یا نہ ہوں۔ اسلام لوگوں کو مجبور نہیں کرتا کیونکہ لازم ہے کہ انسان دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> زبردستی نہیں دین کے معاملے میں۔ (البقرہ 2:256)

اُمت کا مشن یہ ہے کہ وہ اسلام کا پیغام سلامتی کے ساتھ دنیا کے سارے لوگوں کو سنائے۔ تمام انسان کو دار الاسلام یعنی اُمت میں شریک ہونے کی دعوت دینی ہے۔

حضرت محمّد ﷺ نے قاصدوں کے ذریعے اسلام کا پیغام پڑوسی ممالک کے حاکموں کو سنایا۔ اُن میں سے بازنطینی سلطنت اور فارس کے شہنشاہ تھے، نیز حبشہ اور یمن کے بادشاہ۔ ہر ملک میں قاصدوں کا اچھا استقبال نہ ہوا۔ فارس کے شہنشاہ کا سلوک سب سے بُرا تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی رومی اور فارسی فوجیوں نے مسلمانوں کی سرحد کو عبور کیا۔ ہاں، رومی بادشاہ نے حضرت محمّد ﷺ کا سر قلم کرنے کا حکم بھی دیا۔ یوں آپ کی وفات پر مسلمان پڑوسی ممالک سے لڑنے پر مجبور ہوئے۔ جب وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے تو نہ اُنہوں نے عوام کو ستایا، نہ ہی اُن کو مسلمان بننے پر مجبور کیا۔

یہاں نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے تمام جنگیں اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں تھیں۔ جن مسلمانوں سے اِس ناتے سے غلطی ہوئی ہے

اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اسلام کی تعلیم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اُن پر اللہ کا غضب ضرور نازل ہو گا۔

مسلمانوں نے اللہ کے حکم اور پیغمبرِ اسلام کے نمونے پر چل کر دیگر ممالک میں دعوتِ اسلام پیش کی۔ بڑے بڑے استاد، بیوپاری، سوداگر، صوفی، علما اور دیگر عام لوگوں نے اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پھیلانے میں تعاون کیا۔ آپ کی وفات کے 100 سال بعد اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کی حمد و ثنا مشرق میں چین تک، مغرب میں مراکش تک اور شمال میں فرانس تک کی جانے لگی۔ اِسی دوران اسلام مشرقی اور شمالی افریقہ میں بھی پھیل گیا تھا۔ آج کے دَور میں اسلام دنیا کے چاروں اور پھیل چکا ہے۔ یہ اِس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اُمت کس طرح امن و سلامتی سے اللہ تعالیٰ کے مکمل پیغام کی منادی کرنے میں کامیاب اور سرگرم رہی ہے۔

مشن میں خدمت کا پہلو

چونکہ اسلام زندگی کی مکمل راہ ہے اِس لئے خدمت مسلم مشن کا ایک پہلو ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "وہ ایک سچا مومن نہیں ہے جو پیٹ بھر کر کھائے

جبکہ اُس کا پڑوسی بھوکا رہے۔" جو غریب کی مدد کرے، بھوکے کو کھانا کھلائے، مصیبت زدے کی خدمت کرے وہ سچ مچ عبادت بجا لاتا ہے۔ غریبوں کی مدد کے لئے زکوٰۃ ادا کرنا اسلامی فرائض کا تیسرا ستون ہے۔

چونکہ خدمت مسلمانوں کے لئے ایک اہم فرض ہے اِس لئے کینیا میں دو مسلم ادارے ہیں جن میں سے ایک کا نام اسلامک فونڈیشن اور دوسرا ہے ینگ مسلمان اسوسی ایشن۔ اِن اداروں نے کینیا میں مفت بورڈنگ اسکول اور یتیم خانے قائم کئے ہیں۔ یہ دو ادارے پوری دنیا کی اسلامی خدمات کی زندہ مثال ہیں۔ یوں اُمت اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے بھرپور کوشش انجام دے رہی ہے۔

اُمت اور تاریخ

یہ اللہ کی مرضی ہے کہ تمام لوگ قرآن شریف اور حدیث کے تابع ہو جائیں۔ جو بھی شریعت کے تابع رہے وہ مبارک ہے۔ گو دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے تاہم اب جب آخری کتاب کا انکشاف ہوا ہے مناسب ہے کہ تمام لوگ مسلم دعوت قبول کرکے اسلام کی شریعت

کے تابع ہو جائیں۔ ایسا کرنے سے لوگ اُمت یعنی سلامتی کے دین میں شریک ہو جاتے ہیں۔

مسلم علما یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اُمت مزید کتنی پھیلے گی۔ کچھ علما سمجھتے ہیں کہ یوم آخرت سے پہلے ہی اُمت تمام ملکوں اور قوموں تک پہنچ جائے گی۔ دیگر سمجھتے ہیں کہ آخری دنوں میں بے دینی بڑھتی جائے گی۔ تاہم احادیث کی بنا پر مسلمان اعتقاد کرتے ہیں کہ زمانے کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تاکہ تمام زمین پر اسلام کو قائم کریں۔ پھر قیامت ہو گی اور عدالت کا دن۔ تب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا کہ کون جہنم میں جائے گا اور کون جنت میں۔ جہنم آگ کی جگہ اور ابدی سزا ہو گی جبکہ جنت خوشی کے باغات اور شادمانی کی جگہ ہو گی۔ دوزخ سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان سلامتی کا دین مان کر شریعت کی پیروی کرے جس کا انکشاف حضرت محمد ﷺ پر ہوا۔

بے شک گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران اُمت کو مختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ تاہم وہ اپنی خدمت میں کافی حد تک کامیاب

رہی ہے۔ تبلیغ ساری دنیا میں سنجیدگی سے کی جا رہی ہے۔ کئی ایک مسلمان ادارے جیسے رابطہ (ورلڈ مسلم لیگ، مکہ)، اسلامک کال سوسائٹی (لیبیا)، یا ازہر یونیورسٹی مشن (قاہرہ) پوری دنیا میں اپنے لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لئے بھیجتے رہتے ہیں۔

اپنی پُرخلوص خدمت اور وفادار تبلیغ کے ذریعے اُمت ہمیشہ اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے جد و جہد کرتی رہے گی۔ یوں وہ پیغمبرِ اسلام کے نمونے پر چل کر زمین پر اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور شریعت قائم کرنے میں لگی رہے گی۔

عیسائی کا جواب

مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دنیا میں تبلیغ کرے۔ اُمت کا پھیلاؤ اِس بات کا اظہار کرتا ہے کہ مسلمانوں نے یہ کام بڑے مؤثر طریقے سے سرانجام دیا ہے۔

عیسائی کا بھی یہ فرض ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ دونوں کے لئے تبلیغ ایمان کا مرکزی حصہ ہے۔ جب مسلمان ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں عیسائیوں کی اکثریت ہے تو مسلمانوں کو

یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنا ایمان پیش کرسکیں۔ اگر کوئی عیسائی اسلام قبول کرنا چاہے تو اُسے روکنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اپنا ایمان پیش کرنے اور دین بدلنے کی آزادی اللہ کی طرف سے انسان کی ایک بنیادی حق ہے۔ جدید دور کے نام نہاد عیسائی ممالک میں سب کو یہ حق حاصل ہے۔

اِسی طرح جب عیسائی ایسے ملک میں آباد ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو عیسائیوں کو بھی یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنا ایمان پیش کرسکیں۔ ساتھ ساتھ اگر کوئی مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہونا چاہے تو اُسے روکنا نہیں چاہئے۔ لیکن ایسی آزادی مسلم ممالک میں مشکل ہی سے پائی جاتی ہے۔ جب عیسائی آزادی سے اپنے ایمان کی گواہی نہیں دے سکتے تو اُن کو شدید روحانی دقت ہوتی ہے۔ تبلیغ تو عیسائی ایمان کا مرکزی حصہ ہوتی ہے۔ چونکہ انسانی آزادی اللہ کی طرف سے ایک بنیادی حق ہے اِس لئے لوگوں کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی سے وہ ایمان قبول کریں جو اُنہیں پسند ہو چاہے وہ اسلام کا ایمان ہو یا عیسائی ایمان کا یا پھر کسی اَور کے ایمان کا۔

عیسائی دل کی گہرائی سے اِس تعلیم کی قدر کرتے ہیں کہ "دین میں کوئی زبردستی نہیں۔" ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہماری عیسائی تاریخ میں عیسائی کبھی کبھی اِس معیار پر پورے نہیں اُترے۔ ہم نے کئی بار لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ عیسائی دین قبول کریں۔ ہم اِس گناہ کا اقرار کرتے ہیں اور اِس سے توبہ کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جدید دور کے عیسائی ممالک میں دین اور حکومت کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ بے شمار بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر قتل و غارت کیا ہے۔ یہی بازنطینی شاہنشاہ، کلوویس شاہنشاہ اور صلیبی جنگوں کا بنیادی مسئلہ تھا۔ کیونکہ اِن جنگوں میں مسیحی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ خاص کر جو قتل و غارت یروشلم میں ہوا اُس کا انجیل جلیل کے پیغام سے کوئی واسطہ نہیں۔جس نے ایسا کام کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام منہ میں لیا اُس نے سنگین گناہ کیا ہے۔ لیکن ہماری گزارش یہ بھی ہے کہ جس طرح مسلمان عیسائی ممالک میں امن و امان کے ساتھ رہ سکتے ہیں اُسی طرح عیسائی مسلم ممالک میں بھی امن و امان کے ساتھ رہ سکیں۔

عیسائی اِس بات کی بھی تعریف کرتے ہیں کہ معیاری طور سے اسلام میں جہاد اپنے بچاؤ کے لئے ہے نہ کہ حملہ کرنے کے لئے۔لیکن جب اپنے بچاؤ کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کو اپنا ایمان پیش کرنے سے روکا جائے تو یہ شدید دقت کا باعث ہے۔ اپنے بچاؤ میں یہ شامل ہونا چاہیئے کہ عیسائی اپنا ایمان پیش کرسکیں۔ آخر یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن شریف فرماتا ہے،

> تُو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے
> اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ (المائدہ 82:5)

احادیث کی طرح انجیل جلیل بھی اعلان کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخرت کے وقت واپس آئیں گے۔ انجیل جلیل بڑی تفصیل سے المسیح کی آمدِ ثانی پیش کرتی ہے۔ بہتر ہو گا اگر مسلمان اور عیسائی مل کر المسیح کی آمدِ ثانی اور اُس کے نتائج پرغور و خوض کریں۔

عیسائی کا ایمان

رب کا شکر کرو، کیونکہ وہ بھلا ہے، اور اُس کی شفقت ابدی ہے۔

(1 تواریخ 34:16)

ایک ہی خدا ہے

عیسائی کا عقیدہ

عیسائی ایک ہی خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ توریت شریف[a] فرماتی ہے،

> سن اے اسرائیل! رب ہمارا خدا ایک ہی رب ہے۔
> رب اپنے خدا سے اپنے پورے دل، اپنی پوری جان
> اور اپنی پوری طاقت سے پیار کرنا۔ (استثنا 6:4-5)

اللہ نے فرمایا کہ یہ باتیں

[a] تورات شریف کتابِ مقدّس کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے: پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثنا۔

> اپنے دل پر نقش کر۔ اُنہیں اپنے بچوں کے ذہن نشین
> کرا۔ یہی باتیں ہر وقت اور ہر جگہ تیرے لبوں پر ہوں
> خواہ تُو گھر میں بیٹھا یا راستے پر چلتا ہو، لیٹا ہو یا کھڑا
> ہو۔ اُنہیں نشان کے طور پر اور یاددہانی کے لئے اپنے
> بازوؤں اور ماتھے پر لگا۔ اُنہیں اپنے گھروں کی چوکھٹوں
> اور اپنے شہروں کے دروازوں پر لکھ۔ (استثنا 6:6-9)

ایک ہی خدا ہے

ایک ہی خدا ہے، اور وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اُس سے پورے دل و جان سے محبت رکھیں۔ اللہ کی مرضی یہ ہے کہ وہ ہماری پوری زندگی کا مرکز بن جائے۔ اللہ کی وحدانیت ماننا اور اُس سے محبت رکھنا: یہی توریت شریف کی مرکزی تعلیم ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے ایک ہزار سال بعد حضرت عیسیٰ[a] سے پوچھا گیا، "تمام احکام میں سے کون سا حکم سب سے اہم ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا،

> اوّل حکم یہ ہے: 'سن اے اسرائیل! رب ہمارا خدا ایک ہی رب ہے۔ رب اپنے خدا سے اپنے پورے دل، اپنی پوری جان، اپنے پورے ذہن اور اپنی پوری طاقت سے پیار کرنا۔' (مرقس 12:29-30)

توریت اور انجیل جلیل دونوں ہی فرماتی ہیں کہ خدا ایک ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اِس واحد خدا سے محبت رکھیں۔ صرف اللہ ہی ہماری پوری وفاداری کا حقدار ہے۔

اللہ کیا نہیں ہے

اللہ کو یہ حق کیوں حاصل ہے کہ ہم اُس سے وفادار رہ کر پوری محبت رکھیں؟ اللہ کو یہ حق اِس لئے حاصل ہے کہ وہ خدا ہے۔ مگر خدا کون اور

[a] مسیح کے معنی ہیں 'مسح کیا ہوا۔'

کیسا ہے؟ یہ سمجھنے کے لئے اچھا ہو گا کہ ہم پہلے پوچھیں کہ اللہ کیا نہیں ہے؟

پہلے، اللہ انسانی دماغ کا ایجاد نہیں ہے۔ وہ انسان کی تخلیق نہیں ہے۔ کتابِ مقدّس کے مطابق انسان کے ڈھالے ہوئے دیوتا سب جھوٹے ہیں (ہوسیع 13:2-3)۔ واحد اور سچا خدا آدمیوں کے ذریعے پیدا نہیں ہوا، کیونکہ وہ خود خالق ہے۔

دوسرے، اللہ قدرت کا محض ایک حصہ نہیں ہے۔ اللہ نے خود کائنات کو بنایا ہے۔ کائنات کا کوئی بھی پہلو اللہ نہیں ہے۔ وہ تخلیق سے الگ ہے۔ یہی ایک سبب ہے کہ کتابِ مقدّس کے مطابق کسی بھی بنائی ہوئی چیز کی پرستش کرنا منع ہے۔ تخلیق کا کوئی بھی پہلو پرستش کے لائق نہیں ہے۔ صرف خالق ہی ہماری وفاداری اور عبادت کے لائق ہے (استثنا 20:4-6)۔

تیسرے، اللہ ایک فلسفے کا اصول نہیں ہے۔ فلسفے کے ماہرین اکثر اللہ کا وجود ثابت کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ خدا ہے ہی نہیں۔ کتابِ مقدّس کا اِس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کتابِ مقدّس کے مطابق خدا کو جاننا

جاتا ہے، مگر انسانی فلسفے کے ذریعے نہیں بلکہ اُس کام سے جو وہ کرتا ہے۔ خدا ہی اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کرتا ہے۔

اللہ کام کرنے والا ہے

اللہ اُس کام سے جانا جاتا ہے جو وہ کرتا ہے۔ سوال ہے کہ وہ کیا کام کرتا ہے؟

پہلے، اللہ خالق ہے۔ اللہ ہر چیز کا سرچشمہ ہے۔ تخلیق سے پہلے اللہ موجود تھا۔ وہ تمام دیکھی اور اَن دیکھی چیزوں کا سرچشمہ ہے۔ کتابِ مقدّس فرماتا ہے کہ انسان کا خالق باپ ہے۔ خدا باپ کی طرح کائنات اور خاص طور سے انسان کی فکر کرتا ہے۔ اللہ نے کائنات کو اکیلا نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہمیشہ اُس کی پرورش کرتا ہے۔ اللہ نے کائنات کو بنایا، اور وہ اُس کی محافظت بھی کرتا ہے۔

دوسرے، مختلف موقعوں پر اللہ نے اپنے آپ کو نبیوں اور رسولوں پر ظاہر کرکے فرمایا کہ وہ اِن مکاشفوں کو قلم بند کریں۔ یوں پاک نوشتے وجود میں آئے۔ نبیوں نے گاہے بہ گاہے گواہی بھی دی کہ جب روح اُن پر نازل ہوا تب اُنہوں نے نبوت کی (حزقی ایل 2:2، گنتی 11:26-30،

زکریاہ 12:7)۔ اکثر جب خدا اپنے آپ کو نبیوں کے ذریعے ظاہر کرتا تھا تو وہ روح کہلاتا تھا۔

تیسرے، اللہ کا کام تاریخ میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ تاریخ میں یہ کام خاص کر مومنوں پر ظاہر ہوا (زبور شریف 78:1-72)۔ ہمارے ایمان کے مطابق تاریخ میں اللہ کا سب سے عظیم کام المسیح کی آمد تھی۔ المسیح کے ذریعے اللہ نے خود کو نجات دہندے کی حیثیت سے ظاہر کیا (متی 21:1)۔

اللہ محبت ہے

المسیح کی آمد ہمارے ایمان کا ایک مرکزی نکتہ ہے۔ کیونکہ اِس عمل سے ظاہر ہوا کہ اللہ انسان سے اتنی گہری محبت رکھتا ہے کہ اُسے دکھ ہوتا ہے جب ہم غلط کام کر بیٹھتے ہیں۔ المسیح میں اللہ کا انوکھا کام یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اللہ انسان سے محبت رکھتا ہے۔ یہی بات ہمارے ایمان کا مرکزی نکتہ ہے۔

اللہ نے اپنے آپ کو قدرت، نبیوں اور تاریخ کے وسیلے سے ہم پر ظاہر کیا۔ المسیح میں یہ تین پہلو عروج پر پہنچ گئے۔ خاص کر المسیح کے کام سے ہم پہچان سکتے ہیں کہ اللہ کی محبت میں قربانی کا عنصر بھی ہے۔

اِسی کام کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ وہ باپ ہے جو خالق ہے، اللہ وہ روح ہے جو نبیوں کے کلام کے ذریعے خود کو ظاہر کرتا ہے، اور اللہ وہ نجات دہندہ ہے جو تاریخ میں کام کرتا ہے (لوقا 32:5)۔ یہی وجہ ہے کہ المسیح کے قریبی شاگرد یوحنا رسول فرماتے ہیں کہ اللہ محبت ہے (1یوحنا 16:4)۔

اللہ کی محبت زندگی اور سچائی کا سرچشمہ ہے۔ چونکہ ہم جو عیسائی ہیں نے اِس محبت کا تجربہ کیا ہے اِس لئے ہم اپنی باتوں اور عمل سے اِس کا اظہار کرنا چاہتے ہیں گو ہم جانتے ہیں کہ ہمارا یہ اظہار کم زور ہے۔ کیونکہ ہم کس طرح ٹھیک طرح سے اللہ کا وہ عظیم اور انوکھا اتحاد پیش کر سکتے ہیں جو خالق، روح اور نجات دہندے میں پایا جاتا ہے؟ ہم یہ بات کیسے ظاہر کریں کہ اللہ پوری طرح محبت کرتا ہے، کہ اللہ کا جوہر ہی محبت ہے، اور کہ اللہ کا اتحاد بھی اِس محبت میں گھرا ہوا ہے؟ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ اِس لئے ایک ہے کہ وہ محبت ہے۔جس واحد خدا نے اپنے آپ کو خالق، روح اور نجات دہندے کے طور پر ظاہر کیا ہے اُس میں بخشنے والی محبت کا کامل اتحاد ہے (یوحنا 22:17)۔

گو تثلیث کا لفظ انجیل جلیل میں پایا نہیں جاتا، پھر بھی بعد میں اُمت نے یہ لفظ استعمال کرنا شروع کیا تاکہ اللہ کے کامل اتحاد کا بھید اور کامل محبت کا بیان کرے۔ اُس وقت سے اُمت یہ استعمال کرتی آئی ہے تاکہ ظاہر کرے کہ ایک ہی خدا ہے جس کا اصل جوہر چھڑانے والی محبت ہے۔تثلیث کے یہ معنی نہیں کہ تین خدا ہیں۔نعوذ باللہ! تثلیث کا لفظ صرف یہ بیان کرتا ہے کہ ایک ہی سچا خدا ہے جس نے اپنے آپ کو خالق، نجات دہندے اور روح کے طور سے ظاہر کیا ہے۔ یہ واحد، سچا اور ابدی خدا، محبت کا خدا ہے۔ وہ محبت سے لبریز ہوتا ہے اور اپنے آپ کو انسان کے لئے قربان کرتا ہے۔

اللہ کی ذات ایک راز ہے

مناسب طور سے تثلیث بیان کرنا ناممکن ہے۔ تمام مثالیں یہ پوری طرح بیان نہیں کرسکتیں۔ کچھ لوگ ایک انسان کی مثال پیش کرتے ہیں۔ انسان کا دماغ، جسم اور روح ہوتی ہے۔ تینوں کا کامل اتحاد ہے۔ دماغ، جسم اور روح ایک ہی انسان میں متحد ہوتے ہیں۔ پھر بھی یہ تینوں فرق ہوتے ہیں۔ انسان اپنے ہاتھوں سے چیزیں بناتا

ہے۔ وہ اپنے دماغ کے ذریعے مسئلے حل کرتا ہے۔ اُس کی روح اُس کی شخصیت ظاہر کرتی ہے۔ یہ تینوں ایک ہی انسان میں ہوتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات کو بیان کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ کوئی بھی قیاس اللہ کی ذات کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی نے بھی اللہ کو نہیں دیکھا۔ وہ رازبن رہ جاتا ہے۔ اللہ کی ذات بیان کرنا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

اللہ عہد کرتا ہے

گو اللہ ایک راز ہے پھر بھی وہ اَن جان نہیں ہے۔ کتابِ مقدّس فرماتا ہے کہ اللہ نے خود کو ہم پر ظاہر کیا ہے۔ ہم غور کر چکے ہیں کہ اللہ تاریخ میں اپنے کاموں سے ظاہر ہوا ہے۔ اِس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اُس نے انسان سے عہد باندھ لیا[a] اللہ کے انسان کے ساتھ عہد میں اُس کی چھٹکارا بخشنے والی محبت ظاہر ہوتی ہے۔

[a] ایک عہد دو یا دو سے زیادہ لوگوں کے بیچ ایک معاہدہ ہے جو کہ کبھی توڑا نہیں جانا چاہیئے۔

اللہ نے انسان کے ساتھ پہلا عہد عدن کے باغ میں باندھا جہاں اُس نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کے ساتھ عہد باندھا۔ اُس نے اُنہیں حکم دیا کہ باغ کی دیکھ ریکھ کرو اور پھلو پھولو۔ مگر حضرت آدمؑ اور حواؑ نے اُس پہلے عہد کو توڑ دیا (پیدائش 24:3؛ 28:1)۔ اِس کے بعد اللہ بار بار انسانوں کے ساتھ عہد باندھتا رہا، مثلاً حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ اور داؤدؑ کے ساتھ۔

خاص کر اللہ کا حضرت موسیٰؑ اور اسرائیلی قوم کے ساتھ عہد مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ تورات شریف فرماتی ہے کہ عبرانی جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے مصر میں فرعون کے غلام ہو گئے تھے۔ اللہ ایک جلتی جھاڑی میں حضرت موسیٰؑ پر ظاہر ہوا، اور اُس نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اِن عبرانیوں کو فرعون کی غلامی سے چھڑا لائے۔ شروع میں حضرت موسیٰؑ جھجکتے رہے۔ آخرکار اُنہوں نے اللہ سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اللہ نے جواب دیا، "مَیں جو ہوں سو ہوں۔" اُس نے کہا، یہی نام تو بنی اسرائیل سے کہنا کہ "مَیں ہوں" نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے (خروج 13:3-15)۔

حضرت موسیٰؑ اللہ کے تابع ہو کر عبرانیوں کے راہنما بن گئے۔ اُن کی راہنمائی میں اللہ نے عبرانیوں کو فرعون کی غلامی سے چھڑوایا۔ یہ باتیں بڑی خوب صورتی سے توریت میں بیان کی گئی ہیں۔

اِس نئے نام کا مفہوم کیا ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو جلتی جھاڑی کے ذریعے ظاہر کیا تھا؟ اللہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ پر "الوہیم" کے نام سے ظاہر کر چکا تھا۔ یہ لفظ اللہ نام کے قریب ہی ہے، اور اِس کا مطلب قادرِمطلق ہے۔[a] حضرت ابراہیم یہی نام استعمال کرتے تھے۔ مگر اللہ نے اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ پر "مَیں ہوں" کے نام سے ظاہر کیا (خروج 3:2-6)۔ اِس کے لئے اسرائیلی اپنی زبان میں لفظ استعمال کرتے تھے۔ یَہوِہ سے اللہ اپنی ذات کے بارے میں کیا ظاہر کرنا چاہتا ہے؟

یَہوِہ سے اللہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ چھٹکارا دینے والا ہے۔ اِس سے وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ عہد میں اُس کے ساتھ شریک ہو جائیں، ایک ایسے عہد میں جس سے اُنہیں نجات ملے گی۔ اللہ عہد کا خدا ہے۔ عبرانیوں کو غلامی سے چھڑانے کے بعد اللہ کوہِ سینا پر

[a] الوہیم اور اللہ کے نام ایک ہی سامی مصدر یعنی 'ایل' سے نکل آئے ہیں۔

پوری عبرانی قوم پر ظاہر ہوا۔ تورات شریف بیان کرتی ہے کہ وہ بجلی کی تیز گڑگڑاہٹ، گھنے بادلوں، آگ اور دھوئیں میں ظاہر ہوا۔ اُس وقت سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔ اللہ کی پاک ذات اور قدرت کے سامنے لوگوں پر سخت دہشت طاری ہوئی۔

اللہ نے کوہِ سینا پر اسرائیلی قوم کو دس احکام دیئے۔ یہ دس احکام اور دیگر احکام انسان کو راست باز اور خوش حال زندگی گزارنے کی ہدایت دیتے تھے۔ خدا نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ عہد کے لوگ بن جائیں۔ اُس نے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر تم میرے وفادار رہو گے تو مَیں تمہارا باپ ٹھہروں گا۔ مَیں تمہیں برکت عطا کروں گا، تمہاری فکر کروں گا اور تمہیں نجات دلاؤں گا۔ یہوِہ عہد کا خدا ہے (خروج 19:16-25)۔

یہوِہ اَن جان اور دُور نہیں ہے۔ وہ ہماری ضرورتوں سے بے پروا نہیں ہے۔ وہ ہماری خطاؤں، گناہوں اور بغاوت سے رنجیدہ رہتا ہے۔ وہ ہم کو بچانا چاہتا ہے۔ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرنا چاہتا ہے اور ہم کو اپنے فضل اور اپنی محبت سے برکت دینا چاہتا ہے۔ اِسی وجہ سے یہوِہ لوگوں کے ساتھ عہد باندھنا چاہتا ہے۔ چونکہ وہ محبت ہے

اِس لئے اُس نے اپنی طرف سے لوگوں سے عہد باندھا ہے۔ عیسائی اُمت میں وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو اللہ کی دعوت قبول کرکے اُس کے عہد کے لوگ بن گئے ہیں۔

عہد کے اِس رشتے میں ہم سیکھتے ہیں کہ خدا راست ہے، وہ محبت ہے، وہ منصف ہے، وہ پاک ہے اور وہ بُرائی اور گناہ گاری کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ اِس لئے کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم کو بُرائی سے بچانا چاہتا ہے۔ خدا ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اُس کے ساتھ عہد میں شریک ہو جائیں۔ ہم اللہ کو اُس وقت جان لیتے ہیں جب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرکے ایمان کے ساتھ اُس کی دعوت قبول کرتے ہیں۔

خلاصہ

کتابِ مقدّس فرماتی ہے کہ اللہ محبت کا خدا ہے جو تمام انسان اپنے ساتھ عہد کے رشتے میں آنے کی دعوت دیتا ہے۔ جب ہم ایمان سے اِس دعوت کو قبول کرتے ہیں تب ہم جان لیتے ہیں کہ وہ ہم سے

محبت رکھنے والا آسمانی باپ ہے، وہی جو ہم کو بچاتا اور برکت دیتا ہے۔

مسلمان کا جواب

عیسائی اورمسلمان ایک ہی خدا مانتے ہیں، تو بھی اُن کے ایمان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چاہے وہ خدا یا اللہ یا یَہوِہ یا الوہیم کی بات کرتے ہیں تو اُن کا مطلب وہی خدا ہے جو واحد ہے، جو خالق ہے، جومحبت رکھنے والا، منصف، پاک، رحم کرنے والا، زندہ اور ابدی، حکمت والا اور عالمِ کل خدا ہے۔ تاہم عیسائی ایمان اللہ کے ظاہر ہونے پر زور دیتا ہے (اِس لئے تثلیث کی اہمیت) جبکہ اسلام میں اللہ کی مرضی اور ہدایت کے اظہار پر زور ہے۔

اسلام میں حضرت محمد ﷺ کا کردار اور عیسائی ایمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کردار مختلف ہیں۔ لیکن سچے خدا کے پیغمبر ہونے کے ناتے سے اُن کی کئی باتیں ایک جیسی ہیں۔ عیسائی ایمان یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں سب سے اہم اور مرکزی واقعہ المسیح کی آمد ہے۔ یہ مسلم

نکتہ نظر سے بالکل فرق ہے جو مانتے ہیں کہ اللہ نے تاریخ میں کبھی جسم اختیار نہیں کیا۔ مسلم مانتے ہیں کہ اللہ مافوق اور خود مختار ہے۔

نیز، مسلمان نہیں مانتے کہ اللہ باپ ہے۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق اللہ کا کسی انسانی شکل سے یا خاصیت سے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تمام دیگر خاصیتوں سے برتر ہے۔ چونکہ وہ واحد خدا ہے اِس لئے مسلمان کبھی بھی اللہ کو خدا باپ، خدا بیٹے اور خدا روح کے نام سے تصور نہیں کر سکتا۔ اللہ کے تمام الٰہی صفات اُس کے کامل اتحاد میں جمع ہوئے ہیں۔

عیسائی کی وضاحت

جب عیسائی اللہ کو باپ کہتے ہیں تو وہ اُسے انسان نہیں سمجھتے۔ عیسائی دین میں اللہ کو کسی شکل میں تصور کرنے کی مناہی ہے۔ جب اللہ کو باپ کہا جاتا ہے تو یہ اُس کے ساتھ رشتے کی طرف اشارہ ہے اور بس۔ عیسائی ایمان کے مطابق جب اللہ کو باپ اور تمام انسانوں کو اُس کے فرزند کہا جاتا ہے، تو یہ عہد کے رشتے کی طرف اشارہ ہے۔ ہم

اِس عہد کے تحت اُس کے فرزند بن جاتے ہیں اور یوں ہمیں اُس کی قربت حاصل ہوتی ہے۔

زمین اور جو کچھ اُس پر ہے رب کا ہے، دنیا اور اُس کے باشندے اُسی کے ہیں۔ (زبور شریف 1:24)

تخلیق

عیسائی کا عقیدہ

> ابتدا میں اللہ نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ (پیدائش 1:1)

یہ توریت شریف کا سب سے پہلا جملہ ہے۔ قدرت کے بارے میں عیسائی سوچ توریت کے پہلے تین ابواب میں پائی جاتی ہے۔

تخلیق اور ترقی

تخلیق کے چار اہم پہلو ہیں۔

پہلے، توریت فرماتی ہے کہ اللہ خالق ہے۔ یہ از حد اہم بات ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ کُل کائنات اللہ کی ملکیت ہے۔ اُس نے اُسے تشکیل دی، اور وہی اُس کی پرورش کرتا ہے۔ ہم اللہ کی زمین پر رہتے ہیں۔جس کی تخلیق اُس نے کی ہے اُس کی وہ پرورش اور حفاظت بھی کرتا ہے۔

خالق ہونے کے ناتے سے اللہ دنیا سے الگ ہے۔ اگر کائنات نہ بھی ہوتی تو بھی اللہ موجود رہتا۔ کائنات کا کوئی بھی حصہ الٰہی نہیں ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیڑ الٰہی ہیں، اِس لئے وہ اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ الٰہی ہیں اِس لئے وہ پہاڑوں کی پوجا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کچھ جانوروں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ کتابِ مقدّس کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ کائنات کی کوئی بھی چیز الٰہی نہیں ہے۔

اِسی لئے کئی ایک عبرانی نبیوں نے ہرے بھرے پہاڑوں پر پرستش کرنے کے خلاف منادی کی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اونچے ہرے بھرے پہاڑ الٰہی طاقتوں کے مرکز ہیں، کہ اُن کا خدا یا دیوتاؤں سے

خاص تعلق ہے۔ نبیوں نے اعلان کیا کہ یہ غلط ہے۔ اللہ جس نے کائنات کی تخلیق کی وہ اُس کی بنائی ہوئی کسی بھی چیز کے ساتھ شریک نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تخلیق سے الگ ہے۔

دوسرے، گو اللہ تخلیق سے پرے ہے پھر بھی تخلیق اچھی ہے۔ پیدائش کے پہلے باب میں ہم پڑھتے ہیں کہ تخلیق کے ہر قدم کے بعد اللہ نے فرمایا کہ یہ "اچھا ہے۔" جب اُس نے انسان کو بنایا تو کہا کہ "بہت اچھا ہے" (پیدائش 31:1)۔ دنیا اچھی ہے!

کچھ فلسفے کے ماہر کہتے ہیں کہ مادی زمین اچھی نہیں ہے، کہ صرف روح اچھی ہے۔ یہ خیال مقدّس نوشتوں کے خلاف ہے۔ کتابِ مقدّس فرماتی ہے کہ دنیا انسان سمیت بہت اچھی ہے۔ جو بھی ہو اُس سے لطف اٹھانا چاہیئے، چاہے طلوعِ آفتاب یا غروبِ آفتاب ہو، برسات کا موسم یا خشکی ہو، ہَوا میں جھومتے ہوئے پیڑ پودے یا لہلہاتی گھاس ہو، ستارے، سورج یا چاند ہو، زرخیز زمین یا ریگستان کے ٹیلے ہوں۔ یہ سب از حد خوب صورت ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہم اِن

سب سے لطف اُٹھائیں اور اِن کا شکر ادا کریں۔ ہم اللہ کے کلام میں پڑھتے ہیں کہ

> اللہ ... ہمیں فیاضی سے سب کچھ مہیا کرتا ہے تاکہ ہم اُس سے لطف اندوز ہو جائیں۔ (1 تیمتھیُس 17:6)

تیسرے، دنیا ترتیب سے بنائی گئی۔ اللہ نے دنیا کو قدم بہ قدم اور اصولوں کے تحت خلق کیا: روشنی، آسمان اور زمین؛ خشک زمین اور سمندر؛ نباتات؛ دن، رات اور سال کے دورے سورج چاند اور ستاروں سمیت؛ سمندری جاندار اور ہَوا کے چرند پرند؛ خشکی کے تمام جانور اور آخرکار انسان۔ ہر دن کے کام سے اگلے دن کی تیاری ہوئی۔ کائنات کی تخلیق بڑی ترتیب سے ہوئی۔

چوتھے، اللہ نے انسان کو ایک خاص عہدہ دیا۔ اللہ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو اِس اچھی دنیا میں رکھا۔ اُس نے اُن کو عدن کے باغ میں رکھا تاکہ وہ اُس سے لطف اٹھائیں۔ اُس نے فرمایا،

> تمام بیج دار پودے اور پھل دار درخت تمہارے ہی ہیں۔ مَیں اُنہیں تم کو کھانے کے لئے دیتا ہوں۔ (پیدائش 29:1)

اللہ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو ذمے داریاں بھی دیں۔ اُنہیں زمین پر اختیار رکھنا تھا، ساتھ ساتھ کُل جانداروں پر حکومت کرنی تھی (پیدائش 28:1)۔ اِس میں کیا کیا شامل تھا؟

- اولاد کو جنم دینا تھا۔ زمین اُن سے بھر جائے (پیدائش 28:1)۔
- دنیا پر اختیار رکھنا تھا (پیدائش 28:1)۔
- باغ کی نگہبانی کرنی تھی (پیدائش 15:2)۔
- جانداروں کے نام رکھنے تھے (پیدائش 19:2)۔
- جس درخت کا پھل اچھے اور بُرے کی پہچان دلاتا تھا اُس کا پھل کھانا منع تھا۔ (پیدائش 16:2-17)

یہ احکام ہمیں قدرت کے لئے اللہ کا مقصد دکھاتے ہیں۔

اللہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ ہم زمین کی دیکھ ریکھ کرنے اور اُسے بہتر بنانے میں تعاون کریں۔ کہ ہم سب دنیا کو فروغ دینے میں ہاتھ

بٹائیں۔ مثلاً ہم زراعت کے نئے نئے طریقے اپنائیں؛ چوڑی سڑکوں، فیکٹریوں اور شہروں کی تعمیر کریں؛ نئی دوائیاں ایجاد کریں؛ اولاد کو محدود رکھیں تاکہ بچوں کو اچھی تعلیم مل سکے اور ہم زندگی کی ضروریات پوری کر سکیں؛ زمین کے ذخیرے احتیاط سے صحیح استعمال کریں؛ اونٹوں، بکریوں اور دیگر جانوروں کی اچھی نسلیں پیدا کریں۔ اِن تمام سرگرمیوں سے ہم انسان جو آدمؑ اور حواؑ کی اولاد ہیں زمین پر حکومت کر سکتے ہیں۔ کہہ لیں کہ اِس سے ہم باغ کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں۔ یوں ہم انسان کی بھلائی کے لئے زمین کو فروغ دیتے ہیں۔

دنیا کو فروغ دینا اور زمین پر حکومت کرنا چار اصولوں پر مبنی ہے:

- اللہ قدرت سے پرے ہے۔
- قدرت اصولوں کے تحت چلتی ہے۔
- قدرت اچھی ہے۔
- انسان کو قدرت پر حکومت کرنی ہے۔

درجِ بالا اصول ترقی کے چار بنیادی پتھر ہیں۔ چونکہ اللہ قدرت سے پرے ہے اِس لئے ہم کسی درخت کو کاٹتے وقت نہیں ڈرتے کہ کوئی

دیوتا پیڑ پر سے چھلانگ مار کر ہمیں کاٹے گا۔ یا کوئی دیوتا ہمیں وبا سے مارے گی جب ہم پہاڑوں کی چٹانیں توڑنے کے لئے دھماکے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ نے دنیا کو ترتیب سے اور اصولوں کے تحت بنایا ہے، اور ہم اُس پر بھروسا کر سکتے ہیں۔ چونکہ قدرت اچھی ہے اور انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ زمین پر حکومت کرے اِس لئے ہم بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں جب ہم اُس کی تحقیق کرکے اُسے لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اِن بنیادی اصولوں کی روشنی میں عیسائی تکنیکی اور ترقیاتی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔

خود غرضی اور گھمنڈ

توریت میں نہ صرف یہ لکھا ہے۔ ساتھ ساتھ حضرت آدمؑ اور حواؑ کو آگاہ کیا گیا کہ وہ ممنوعہ پھل کو نہ کھائیں۔ یہ بات ہمیں آگاہ کرتی ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کو اپنے خود غرض اور مغرور مقاصد کے لئے استعمال نہ کریں۔ اِس میں ہمیں خدا اور دوسرے انسانوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

جو اِس درخت کے ساتھ ہوا اُس کی کئی ایک مثالیں آج بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک کسان پہاڑی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ اب خطرہ ہے

کہ ساری مٹی بارش سے بہہ کر ضائع ہو جائے۔ کسان شاید یہ کہے کہ "زمین تو میری ہے اِس لئے مٹی کی کوئی فکر نہیں ہے۔ مَیں جیسے چاہوں کھیتی باڑی کروں گا۔" لیکن اگر وہ ایسا کرے تو بیس سال بعد یہ زمین بنجر ہو کر کسی کام کی نہیں رہے گی۔ اُس کے بچے اُس زمین سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے اِس لئے کہ اُس نے زمین کو ذمے داری سے استعمال نہ کیا۔ اُس کا عمل مغرور اور خود غرض تھا۔

نیک و بد کی پہچان کا درخت اللہ کی طرف سے اشارہ ہے کہ گو ہمیں زمین پر حکومت کرنا ہے تاہم ہمیں فروتنی سے زندگی بسر کرنا ہے۔ ہم کو خود غرض اور گھمنڈ بننے کی ہمت نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں سارے اناج کو اپنے استعمال کے لئے نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اُسے دوسروں کے ساتھ بھی بانٹنا چاہئے۔

درخت ایک نشان ہے کہ ترقی کرتے وقت ہمیں اللہ کا خیال رکھنا ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اُسی کی ملکیت ہے ہماری نہیں۔ اُس نے ہمیں زمین عطا کی ہے کہ ہم اُس کو انسان کی بھلائی کے لئے استعمال کریں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ سب

کچھ اللہ کی نعمت ہے۔ ہمیں اِس دنیا کو وفادار باغ بان کی حیثیت سے استعمال کرنا چاہیئے۔ زمین پر حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں یاد رکھنا ہے کہ اُس ممنوعہ درخت کے پھل کو نہ کھائیں۔ یہ درخت ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم اللہ پر انحصار کریں اور کبھی بھی اُس سے آزاد زندگی بسر کرنے کی کوشش نہ کریں۔

تاہم آدمؑ اور حواؑ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اُنہوں نے نیک و بد کی پہچان کے درخت کے پھل سے کھایا۔ یہ کرنے سے اُنہوں نے ظاہر کیا کہ ہم اللہ کے فرمان سے آزاد ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم اللہ کی مانند بننا چاہتے ہیں۔ وہ قدرت کے پھلوں کو اپنے خود غرض مقاصد کے لئے اور اللہ سے آزاد ہو کر استعمال کرنا چاہتے تھے (پیدائش 3:1-7)۔

چونکہ آدمؑ اور حواؑ نے اللہ کے خلاف بغاوت کی اِس لئے قدرت بگڑ گئی۔ اُس وقت اللہ نے زمین پر لعنت بھیجی (پیدائش 3:14-24)۔ زمین سے کانٹے اور اونٹ کٹارے اُگنے لگے۔ پہلے انسان خدا کی برکت کے تابع رہ کر کام کرتا تھا، لیکن اب سے سخت مشقت اور محنت کرنی پڑتی تھی۔ اللہ نے فرمایا کہ

> پسینہ بہا بہا کر تجھے روٹی کمانے کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی۔ (پیدائش 19:3)

اللہ سے پھرنے سے زمین پر حکومت کرنا نہایت ہی مشکل ہو گیا۔ موجودہ زمانے نے بہت ترقی کی ہے۔ پھر بھی گاہے بہ گاہے کی آفتیں ہمیں یاد دلاتی رہتی ہیں کہ ہم نہیں بلکہ اللہ ہی قدرت کا مالک ہے۔ بے شک ہم قدرت کو انسان کی بھلائی کے لئے استعمال کریں۔ لیکن یاد رہے کہ ہماری محنت مشقت اللہ پر منحصر ہے۔ تمام ترقی کے باوجود ہمیں یاد رکھنا ہے کہ گھمنڈ اور خود غرضی برباد کرتی ہے۔ جب بھی ہم اللہ سے آزاد ہو کر جینا چاہیں تو ہم برکت کے بجائے لعنت حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ

عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ زمین انسان کے لئے اللہ کی عمدہ نعمت ہے۔ انسان کو اللہ سے حکم ملا ہے کہ زمین کو انسان کی بھلائی کے

لئے استعمال کرے۔ مگر ہم خود غرضی اور گھمنڈ کے باعث زمین کو ٹھیک طرح سے فروغ نہیں دے سکتے۔

مسلمان کا جواب

مسلمان عیسائیوں کی طرح ہی کہتے ہیں کہ اللہ خالق ہے۔ خالق ہونے کے ناتے سے وہ تخلیق سے پرے ہے۔ مسلمان اللہ کی تخلیق کو کامل مانتے ہے۔

مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ پہلے انسان تھے جن کو اللہ نے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ اُس نے اُن کے لئے ایک شریکِ حیات اور مددگار بنام حضرت حواؑ بنایا۔ زمین پر رہنے سے پہلے وہ آسمانی باغ یعنی فردوس میں رہتے تھے۔ اُنہیں حکم دیا گیا کہ باغ کے تمام پھل کو آزادی سے کھاؤ۔ مگر ممنوعہ درخت کے نزدیک مت جانا۔[a] مگر شیطان نے اُنہیں ورغلایا تو اُنہوں نے ممنوعہ پھل سے کھایا۔

[a] قرآن شریف میں یہ درخت بے نام ہے۔ کچھ مفسروں کا ماننا ہے کہ یہ بُرائی کا ایک درخت ہے۔

نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو باغ سے خارج کرکے زمین پر نازل کیا اور حضرت آدمؑ کو زمین پر خلیفہ ہونے کا شرف بخشا۔

> تم سب اُترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ (البقرہ 36:2)

اِس آیت کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلم ایمان کے مطابق باغِ عدن اِس دنیا میں نہیں تھا۔

نیز، مسلمان نہیں مانتے کہ اللہ نے زمین پر لعنت بھیجی (پیدائش 3:14-24)۔ قرآن شریف صرف اُتنا ہی فرماتا ہے کہ

> اُسی میں تم زندہ رہو گے اور اُسی میں تم مرو گے اور اُسی سے تم نکالے جاؤ گے۔ (الاعراف 25:7)

عیسائی کی وضاحت

جب توریت شریف میں لکھا ہے کہ اللہ نے زمین پر لعنت بھیجی تو اِس کا مطلب ہے کہ انسان کا قدرت کے ساتھ رشتہ بگڑ گیا۔ اِسی لئے لکھا ہے کہ "تیرے سبب سے زمین پر لعنت ہے" (پیدائش 17:3)۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ گھمنڈ اور خود غرضی کے سبب سے قدرت پر ایک لعنت رہی ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے کہ تمام کائنات کراہتی اور دردِ زہ میں تڑپتی رہتی ہے کہ کب گناہ کے اثر سے چھٹکارا ملے گا (رومیوں 8:19-23)۔

تُو نے اُسے جلال اور عزت کا تاج پہنا کر سب کچھ اُس کے پاؤں کے نیچے کر دیا۔ (عبرانیوں 7:2)

حضرت آدمؑ اور حواؑ

عیسائی کا عقیدہ

اللہ نے فرمایا، "آؤ اب ہم انسان کو اپنی صورت پر بنائیں، وہ ہم سے مشابہت رکھے۔ وہ تمام جانوروں پر حکومت کرے، سمندر کی مچھلیوں پر، ہَوا کے پرندوں پر، مویشیوں پر، جنگلی جانوروں پر اور زمین پر کے تمام رینگنے والے جانداروں پر۔" یوں اللہ نے انسان کو اپنی

> صورت پر بنایا، اللہ کی صورت پر۔ اُس نے اُنہیں مرد اور عورت بنایا۔ (پیدائش 1:26-27)

> پھر رب خدا نے ... اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو وہ جیتی جان ہوا۔ (پیدائش 2:7)

اللہ کی صورت اور شبیہ

توریت شریف فرماتی ہے کہ لوگ اللہ کی صورت اور شبیہ پر بنائے گئے ہیں۔ انسان جیتی جان ہیں۔ اللہ نے اُن کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا ہے۔ اِس کے کیا معنی ہیں؟ انسان کو کن کن باتوں میں اللہ کی صورت پر بنایا گیا؟

پہلے، آدمی اور عورت دونوں ہی اللہ کی صورت اور شبیہ پر پیدا کئے گئے (پیدائش 1:27)۔ عورت بھی آدمی جیسی اہمیت رکھتی ہے۔ دونوں برابر ہیں۔ دونوں نر اور ناری اللہ کی صورت اور شبیہ پر بنائے گئے۔

دوسرے، ہم کائنات کو ایک حد تک سمجھ سکتے ہیں۔ ہم تحقیق کر کے سائنس کے اصولوں کو فروغ دے سکتے ہیں، یہاں تک کہ ہم چاند کا سفر کر سکتے ہیں۔

ہم اپنے لئے مکان بنا سکتے، خوراک کے لئے باغ لگا سکتے اور مویشی یوں پال سکتے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ دودھ دیں۔ انسان کائنات کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

تیسرے، ہم تہذیب یافتہ ہیں۔ جانور تہذیب پیدا نہیں کر سکتے۔ ساری دنیا کے کتے ایک طرح سے بھونکتے ہیں مگر انسانی زبانیں نہایت وسیع طور سے اختلافات رکھتے ہیں۔ زبان تہذیب کا ایک اہم پہلو ہے۔ اِسی طرح لوگ الگ الگ قسم کے مکانات میں بود و باش کرتے ہیں، وہ مختلف قسم کے کپڑے پہنتے اور ہزاروں اقسام کے کھانے کھاتے ہیں۔ نیز، ہر انسان مختلف ہوتا ہے۔

چوتھے، ہم غلط اور صحیح میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ جانوروں کے مقابلے میں انسان اخلاقی ہے۔ گو دنیا میں مختلف قسم کے معاشرے پائے جاتے ہیں تو بھی ہر جگہ لوگ اِس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ قتل

و غارت منع ہے۔ ہمارا ضمیر ظاہر کرتا ہے کہ ہم اللہ کی صورت پر پیدا کیئے گیئے ہیں۔

پانچویں، ہم سب محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں بہتر انسان بننا چاہیئے۔ تمام لوگوں میں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اتنے اچھے نہیں جتنے اُنہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ضمیر کی دبی ہوئی آواز ہے کہ ہمیں بہتر ہونا چاہیئے، کہ ہمیں اللہ کی طرح مہربان، سچے اور قابلِ اعتماد ہونا چاہیئے۔ضمیر کی یہ آواز ظاہر کرتی ہے کہ ہم اللہ کی صورت پر بنائے گیئے ہیں۔

چھٹے، تمام معاشروں کو یہ احساس ہے کہ انسان لافانی ہے۔ ہم سب محسوس کرتے ہیں کہ موت انسان کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ قبر کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ اللہ ابدی ہے۔ اِسی طرح اللہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جن کو اُس نے اپنی صورت اورشبیہ پر بنایا ہے وہ بھی ابدیت حاصل کریں۔

ساتویں، ہم اپنے ہم انسانوں اور اللہ کے ساتھ رفاقت رکھ سکتے ہیں۔ اِس میں ایک اہم پہلو بولنا ہے۔ اللہ جانوروں سے رفاقت نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ انسان نہیں ہیں۔

عدن کے باغ میں حضرت آدمؑ اور حواؑ کو اللہ کی رفاقت حاصل تھی۔ اللہ اُن سے بات چیت کرتا تھا۔ وہ انسان سے رفاقت رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ ہم سے عہد باندھنا چاہتا ہے۔ جو رشتہ اِس سے قائم ہوتا ہے وہ باپ کا اپنے بچوں کے ساتھ رشتہ کی طرح ہے۔ ہم اللہ کے فرزند ہیں، اللہ ہمارا آسمانی باپ ہے (استثنا 6:32؛ زبور شریف 13:103؛ یرمیاہ 9:31؛ رومیوں 8:14،17)۔

کلام کے مطابق ہم اُس وقت سچی انسانیت پاتے ہیں جب ہمارا اللہ کے ساتھ عہد کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ جب ہم اللہ کے ساتھ صحیح رشتے میں رہتے ہیں تب ہم صحیح معنوں میں انسان ہوتے ہیں۔ جب ہم اللہ سے پھر کر غیر معبودوں کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں تب ہماری انسانیت بگڑ جاتی ہے۔

شادی اللہ کے ساتھ عہد کا ایک نشان ہے۔ توریت شریف فرماتی ہے کہ جب اللہ نے آدمؑ کے پہلو سے ایک پسلی نکال کر حواؑ کو پیدا کیا تو اُس نے اُس کو اپنی بیوی قبول کر کے کہا،

> واہ! یہ تو مجھ جیسی ہی ہے، میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے۔ اِس کا نام ناری رکھا جائے کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔ اِس لئے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ پیوست ہو جاتا ہے، اور وہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ دونوں، آدمی اور عورت ننگے تھے، لیکن یہ اُن کے لئے شرم کا باعث نہیں تھا۔ (پیدائش 2:23-25)

یہی وجہ ہے کہ عیسائی ایک سے زیادہ بیویاں قبول نہیں کر سکتے۔ کلام فرماتا ہے کہ شادی میں مرد اور عورت ایک تن ہوتے ہیں۔ جب کسی کو ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ ہر ایک کا حق پورا نہیں کر سکتا۔ تب ایک تن کی جو یکتائی اللہ چاہتا ہے وہ بگڑ جاتی ہے۔

اِسی طرح جب ہم اللہ کو ہر دوسری چیز پر ترجیح نہیں دیتے تو اللہ کے ساتھ ہمارا رشتہ بگڑ جاتا ہے۔ اللہ کے ساتھ سچی رفاقت کا مطلب یہ ہے کہ ہم پورے طور سے اُس کے وفادار رہیں، بالکل اُسی طرح جس طرح

شادی میں سچی رفاقت اِس کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے شریکِ حیات کے ساتھ پورے طور سے وفادار رہیں (دیکھئے ہوسیع 2:14–5:3)۔

انسان کا گناہ

افسوس، آدمؑ اور حواؑ اللہ کے وفادار نہ رہے۔ وہ خدا سے پھر گئے۔ اُنہوں نے سانپ کی سنی جس سے ابلیس بول رہا تھا۔ اُنہوں نے وہ پھل کھایا جو سخت منع تھا۔ اِس سے آدمؑ اور حواؑ نے ظاہر کیا کہ ہم اللہ سے آزاد ہیں۔ کتابِ مقدس فرماتی ہے کہ وہ "اللہ کی مانند" بننا چاہتے تھے۔ یہ تھا اُن کی خود غرضی اور گھمنڈ کا اظہار (پیدائش 3:1-7)۔

بغاوت کے اِس عمل سے وہ انسانیت بگڑ گئی جو اللہ کی صورت اور شبیہ پر بنائی گئی تھی۔ گو کچھ شباہت ہماری انسانیت میں باقی رہتی ہے، پھر بھی ہماری گناہ گاری کینسر کی طرح ہم میں پھیل کر ہمیں برباد کرتی ہے (رومیوں 3:23)۔

تمام انسان کے پہلے ماں باپ حضرت آدمؑ اور حواؑ اللہ سے پھر گئے؛ اُنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کا رشتہ توڑ ڈالا۔ جس دن اُنہوں نے درخت

کا پھل کھایا اُسی شام اللہ باغ میں ظاہر ہوا تاکہ آدمؑ اور حوّاؑ سے بات کرے، مگر وہ خوف اور شرمندگی کے مارے چھپ گئے۔

> رب خدا نے پکار کر کہا، "آدم، تُو کہاں ہے؟" آدمؑ نے جواب دیا، "مَیں نے تجھے باغ میں چلتے ہوئے سنا تو ڈر گیا، کیونکہ مَیں ننگا ہوں۔ اِس لئے مَیں چھپ گیا۔"
>
> (پیدائش 3:9-10)

اللہ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو نہ چھوڑا بلکہ وہ خود اُس سے چھپ گئے۔ اللہ نے اُن کے ساتھ عہد کو نہ توڑا بلکہ اُنہوں نے اُسے توڑا۔

اللہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑتا۔ چونکہ وہ محبت ہے اِس لئے وہ ہماری تلاش میں رہتا اور ہمیں دعوت دیتا رہتا ہے کہ ہم اُس کے عہد کے لوگ بن جائیں۔ یہی تاریخ میں انسان کی حالت رہی ہے۔ انسان بار بار اُس سے پھر جاتا ہے، جو اُسے اپنی قوم بننے کی دعوت دیتا ہے۔

یوں انسان کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک طرف تو ہم اللہ کی صورت پر پیدا کئے گئے ہیں اور ہمیں دعوت دی گئی ہے کہ اُس کے

عہد میں شریک ہوں اور اللہ کے ساتھ رفاقت رکھیں۔ لیکن دوسری طرف ہم نے اللہ کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ ساری نسلِ انسانی بغاوت پر اتر آئی ہے۔ ہم نیکی کی نسبت زیادہ آسانی سے بُرا کام کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

مسلمان کا جواب

عیسائی ایمان یہ ہے کہ انسان اللہ کی صورت اور شبیہ پر بنایا گیا ہے۔مسلم ایمان فرق ہے۔ ہم مانتے ہیں اللہ نے انسان میں اپنی روح پھونکی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نتیجے میں اُسے علم، قوتِ ارادہ اور کام کرنے کی طاقت حاصل ہوئی۔ اگر لوگ یہ نعمتیں ٹھیک طرح سے استعمال کریں تو کوئی ڈر نہیں۔یعنی اگر وہ یہ اللہ کی مرضی کو سمجھنے اور اُس کے احکام بجا لانے میں استعمال کریں تو نہ اُنہیں حال اور مستقبل میں خوف ہو گا، نہ ہی ماضی کے بارے میں غم۔

اسلام کے مطابق انسان نہ صرف اشرف المخلوقات ہے بلکہ اُس کو زمین پر اللہ کا خلیفہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یہ عزت تمام مردوں اور عورتوں کو حاصل ہے چاہے وہ کسی بھی قبیلے، طبقے، زبان یا تہذیب سے تعلق

رکھتے ہوں۔ انسان کی عزت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا غلام ہے، کہ وہ اُس کے تابع رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر۔ پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے نیچے۔ مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے سو اُن کے لئے ثواب ہے بے انتہا۔
>
> (التین 95:4-6)۔

عیسائی ایمان یہ ہے کہ ہمارے پہلے ماں باپ کی بغاوت نے انسان کو بگاڑ دیا۔ یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسلام کے مطابق تاریخ انسان کی بغاوت سے شروع نہ ہوئی۔ گو حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو بھی آپ نے توبہ کی۔ آپ کے گناہ بخشے گئے، یہاں تک کہ اُنہیں نیکی کی طرف ہدایت بھی دی گئی۔ انسان پیدائشی گناہ گار نہیں ہوتا۔

اِن اختلافات کے باوجود دونوں ایمان رکھتے ہیں کہ انسان کے لئے مکاشفے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں مکاشفے کا مرکز الٰہی ہدایت ہے جبکہ عیسائی دین میں مکاشفے کا مرکز گناہوں سے چھٹکارا ہے۔

دل حد سے زیادہ فریب دہ ہے، اور اُس کا علاج ناممکن ہے۔ کون اُس کا صحیح علم رکھتا ہے؟ (یرمیاہ 9:17)

گناہ اور بُرائی

عیسائی کا عقیدہ

بُرائی اللہ سے نہیں آتی جو کہ راست باز خالق ہے۔ بنیادی طور پر بُرائی کا سرچشمہ یہ اچھی دنیا بھی نہیں ہے۔ قدیم یونانی فلسفی سمجھتے تھے کہ روح اچھی ہے مگر مادہ خراب ہے۔ کتابِ مقدّس یہ بات نہیں مانتی۔ بُرائی جہالت کا نتیجہ بھی نہیں ہے۔ نہ تو اللہ اور نہ اُس کی اچھی مخلوقات بُرائی کا سرچشمہ ہیں۔

کلام کے مطابق ہم اللہ سے پھر جانے سے ہی بُرے بن جاتے ہیں۔ گناہ کرنے سے پہلے حضرت آدمؑ اور حواؑ بُرائی کو نہیں جانتے تھے۔

لیکن ممنوعہ پھل کھاتے ہی اُنہیں معلوم ہوا کہ ہمارے اندر کچھ بگڑ گیا ہے۔ ہمارا آپس کا رشتہ اور ہمارا خدا سے رشتہ اور ہمارا زمین کے ساتھ رشتہ بگڑ گیا ہے۔

ممنوعہ پھل کھانے سے اُنہوں نے اللہ سے آزادی کا اعلان کیا۔ یہ گھمنڈ کا اظہار تھا، کیونکہ آدمؑ اور حوّاؑ اللہ کی مانند بننا چاہتے تھے (پیدائش 4:3)۔ یہ خود غرضی کا عمل بھی تھا، کیونکہ وہ باغ کے سب کے سب پھل کھانا چاہتے تھے (پیدائش 6:3)۔ اور یہ نافرمانی تھی، کیونکہ اللہ نے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا (پیدائش 11:3)۔

آدمؑ اور حواؑ نے خود اللہ سے پھر جانے کا فیصلہ کیا (پیدائش 1:3-7)۔ بے شک ابلیس نے سانپ کی شکل میں اُنہیں ورغلایا۔ تاہم مرکزی کردار ابلیس نہیں بلکہ حضرت آدمؑ اور حواؑ تھے۔ اُنہوں نے سانپ کی سن کر اپنے ہاتھ بڑھائے اور ممنوعہ پھل کو کھایا۔ اللہ کے خلاف یہ حرکت اُن کا اپنا ہی فیصلہ تھا۔

گناہ اُس وقت دنیا میں داخل ہوتا ہے جب انسان اپنی آزادی غلط استعمال کرتا ہے۔ ہم سب اُس پہلے انسان آدمؑ کے گناہ میں شریک

ہوتے ہیں۔ ہم سب نے اپنی آزادی کو غلط استعمال کیا ہے۔ پاک نوشتے فرماتے ہیں،

> ہم سب بھیڑبکریوں کی طرح آوارہ پھر رہے تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی راہ اختیار کی۔ (یسعیاہ 6:53)

ہم سب انفرادی اور مجموعی طور سے گناہ کے ذمے دار ہیں۔

انسانی تاریخ کے آغاز میں ہی انسان اللہ سے پھر گیا۔ ہم حضرت آدمؑ اور حواؑ یا اپنے ماں باپ کو ذمے دار نہیں ٹھہرا سکتے کہ ہم گناہ گار ہیں۔ ہم خود اپنے گناہوں کے ذمے دار ہیں، ہم سب اللہ سے پھر گئے ہیں۔ حضرت آدمؑ اور حواؑ کی کہانی ہماری اپنی ہی کہانی بھی ہے۔ کتابِ مقدّس فرماتی ہے،

> سب نے گناہ کیا، سب اللہ کے اُس جلال سے محروم ہیں جس کا وہ تقاضا کرتا ہے۔ (رومیوں 23:3)

آدمؑ اور حواؑ کی کہانی ہر ایک انسان سے دہرائی جاتی ہے۔ ذیل میں گناہ کے کچھ نتائج درج ہیں:

- آدمؑ اور حواؑ خود سے شرمندہ ہوئے (پیدائش 7:3)۔ اللہ سے پھرنے سے پہلے وہ ایک دوسرے کے سامنے شرم محسوس نہیں کرتے تھے گو وہ ننگے تھے۔ مگر نافرمانی کے بعد اُنہوں نے اپنی شرم گاہ کو چھپانے کے لئے انجیر کے پتوں سے لنگیاں سی لیں۔ ساتھ ساتھ وہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے۔ وہ شرمندہ تھے۔ ہم بھی اچھے لباس اور دوسروں پر رعب ڈالنے سے اپنے آپ کو ڈھانپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اپنی اصلی حالت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اپنی اصلی حالت دکھانے سے شرماتے ہیں، اِس لئے ہم اُسے چھپاتے ہیں۔ یہ سب کچھ گناہ کا انجام ہے۔ یہ منافقت ہے۔
- آدمؑ اور حواؑ ڈر گئے۔ وہ باغ کی جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے۔ وہ ایک دوسرے سے اور اللہ سے بھی ڈر گئے۔ جب اللہ معمول کے مطابق حضرت آدمؑ اور حواؑ سے رفاقت کے لئے باغ میں ظاہر ہوا تو وہ اللہ سے چھپ گئے۔ وہ جھاڑیوں کے درمیان دبک گئے، یہ سوچ کر کہ اللہ کو پتا نہیں چلے گا۔ مگر بے سود۔ اللہ نے آواز دی،

> ”آدم، تُو کہاں ہے؟“ آدمؑ نے جواب دیا، ”مَیں نے تجھے باغ میں چلتے ہوئے سنا تو ڈر گیا، کیونکہ مَیں ننگا ہوں۔ اِس لئے مَیں چھپ گیا۔“
>
> (پیدائش 3:9-10)

انسان کو اللہ کی صورت پر بنایا گیا تھا تاکہ وہ اپنے خالق سے رفاقت رکھے۔لیکن اب وہ ڈر کر اپنے آسمانی باپ سے چھپ گیا۔ کیا یہ المیہ نہیں ہے؟ انسان اللہ سے جدا ہو گیا۔ وہ اپنے خدا سے پھر کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ گو اللہ محبت رکھتا ہے تو بھی وہ اُس سے ڈر گئے! اللہ سے رفاقت رکھنے کے بجائے وہ بھاگ کر اللہ سے چھپ گئے۔

- آدمؑ اور حواؑ نے اپنی غلطی قبول نہیں کی بلکہ وہ بہانہ بنانے لگے۔ جب اللہ نے اُن سے بات کی تو آدمؑ نے جواب دیا،

> ”جو عورت تُو نے میرے ساتھ رہنے کے لئے دی ہے اُس نے مجھے پھل دیا۔ اِس لئے مَیں نے کھا

> لیا۔" اب رب خدا عورت سے مخاطب ہوا، "تُو نے یہ کیوں کیا؟" عورت نے جواب دیا، "سانپ نے مجھے بہکایا تو مَیں نے کھایا۔" (پیدائش 3:12-13)

حضرت آدمؑ نے حواؑ کو اپنے گناہ کے لئے ذمے دار ٹھہرایا۔ اُنہوں نے اللہ پر بھی الزام لگایا۔ اُنہوں نے کہا کہ جس عورت کو تُو نے مجھے دیا اُس نے مجھے پھل دیا۔ اور حواؑ نے ابلیس پر الزام لگایا۔ دونوں نے اپنا قصور قبول نہ کیا۔

ہم بھی ایسے ہی ہیں۔ جب ہم سے گناہ سرزد ہو جائے تو دوسروں پر الزام لگاتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم اللہ پر الزام لگاتے ہیں۔ شاید ہم کہیں کہ اللہ قادرِمطلق ہے اِس لئے گناہ حقیقت میں اللہ کا قصور ہے۔ شاید ہم کہیں کہ اللہ کو اجازت نہیں دینا چاہئے تھا کہ ہمیں ورغلایا جائے۔ شاید ہم خدا کو ہمارے کسی گناہ یا آفت کے لئے ملزم ٹھہرائیں۔ زیادہ ہم ابلیس پر الزام لگاتے ہیں۔ یا ہم اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم سے غلطیاں سرزد

ہوئی ہیں۔ ہم خود ذمے دار نہیں ٹھہرنا چاہتے بلکہ دوسروں پر الزام لگاتے ہیں۔

- ازدواجی رشتہ بگڑ گیا۔ گناہ کرنے سے پہلے اُن کا ایک دوسرے کے ساتھ اچھا رشتہ تھا۔ مگر جب اُنہوں نے گناہ کیا تو وہ اپنی اندرونی حالت ایک دوسرے سے چھپانے لگے۔

کلام یہ بھی فرماتا ہے کہ گناہ کے نتیجے میں حضرت آدمؑ اپنی بیوی پر حکومت جتانے لگے، اور حواؑ اُن کے تحت دبنے لگیں (پیدائش 16:3)۔ شادی میں اِس قسم کا رشتہ زیادتی ہے۔ بغاوت کے سبب سے شادی کے رشتے میں زیادتی کا عنصر آ گیا۔ عورت مردوں کو راغب کرنے کے کپڑے پہنتی ہے۔ دوسری طرف آدمی کوشش کرتا ہے کہ عورت کو زبردستی سے شادی میں یا بغیر شادی کے اپنے ماتحت کر لے۔

جنم دینے کا عمل بھی زیادہ درد ناک ہو گیا۔

> پھر رب خدا عورت سے مخاطب ہوا اور کہا، "جب
> تُو اُمید سے ہو گی تو مَیں تیری تکلیف کو بہت
> بڑھاؤں گا۔ جب تیرے بچے ہوں گے تو تُو شدید درد
> کا شکار ہو گی۔ (پیدائش 16:3)

بچے برکت کا باعث ہوتے ہیں۔ مگر گناہ کے باعث جنم دینے کا سلسلہ تکلیف دہ ہو گیا۔ بچے نہ صرف درد کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے سے بھی درد کا سبب بنتے ہیں۔

- ہر کام مشکل ہو گیا۔ اللہ نے آدمؑ سے کہا کہ

> تیرے سبب سے زمین پر لعنت ہے۔ اُس سے
> خوراک حاصل کرنے کے لئے تجھے عمر بھر محنت
> مشقت کرنی پڑے گی۔ (پیدائش 17:3)

شروع میں ہر کام برکت کا باعث تھا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ زمین میں بہتری پیدا کرو۔ مگر نافرمانی کے بعد قدرت کے ساتھ انسان کا

رشتہ بگڑ گیا۔ جب وہ قدرت سے فائدہ اٹھانے لگے تو زمین کراہنے لگی۔ زمین انسان کے سبب سے ملعون ہوگئی۔ فصل کے ساتھ ساتھ کانٹے اور اونٹ کٹارے بھی اگنے لگے۔ انسان قدرت کے ساتھ جوجھنے لگا، اور قدرت انسان سے جوجھنے لگی۔ روزی کے لئے سخت محنت کرنی پڑی۔

- گناہ کے ذریعے موت آئی۔ خدا زندگی بخشنے والا ہے۔ چنانچہ جب ہمارا خدا کے ساتھ اچھا رشتہ ہو تو ہمیں خوش حال زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ سے پھر جانے سے انسان نے زندگی بخشنے والے سے آزادی کا اعلان کیا۔ نتیجے میں وہ موت کی طرف مڑ گیا۔ ہم اِس لئے مرتے ہیں کہ ہم اللہ سے پھر گئے ہیں۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> گناہ کا اجر موت ہے۔ (رومیوں 23:6)

یہ موت جسمانی موت سے زیادہ ہے۔ موت کا گہرا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانیت بگڑ گئی جو اللہ کی صورت پر بنائی گئی تھی۔ ہماری

زندگیوں کو اللہ کے جلال اور راست بازی کو منعکس کرنا چاہیئے۔ مگر اِس کے بجائے ہم خودغرض اور گھمنڈ ہوتے ہیں۔ ہماری انسانیت خراب ہو گئی ہے۔ ہم محبت کے بجائے دوسروں سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بانٹنے کے بجائے ایک دوسرے سے زیادتی کرتے ہیں۔ ہم معاف کرنے کے بجائے تلخی محسوس کرتے ہیں۔ ہم سچے ہونے کے بجائے فریبی اور دھوکے باز ہیں۔ ہم قدم بہ قدم اللہ سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یوں ہم اپنی زندگی میں بھی موت کا تجربہ کرتے ہیں۔ موت اللہ سے ہمیشہ کی جدائی ہے۔ اللہ سے جدائی سب سے بڑی بُرائی ہے۔ اللہ سے جدائی موت ہے۔

- موت پھیل کر سارے رشتوں میں اپنا زہر ڈال دیتی ہے۔ حضرت آدمؑ اور حواؑ کے خاندان میں موت کی حکومت تھی۔ بڑے بیٹے قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کو قتل کیا (پیدائش 4:1-16)۔ قابیل نے حسد کی وجہ سے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ پہلے انسانی

خاندان سے قتل سرزد ہوا۔ بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کیا!

انسانی خاندان میں پہلا قتل ظاہر کرتا ہے کہ گناہ حضرت آدمؑ اور حواؑ سے آگے پھیل گیا تھا۔ اللہ سے بغاوت ساری انسانی نسل میں پھیل گئی ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> کوئی نہیں جو راست باز ہے، ایک بھی نہیں۔
>
> (رومیوں 10:3)

نیز،

> سب اِس لئے مرتے ہیں کہ وہ آدمؑ کے فرزند ہیں۔ (1 کرنتھیوں 22:15)

کلام فرماتا ہے کہ

> ہم سب بھیڑبکریوں کی طرح آوارہ پھر رہے تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی راہ اختیار کی۔ (یسعیاہ 6:53)

ہم میں سے ہر ایک اللہ سے بغاوت کر چکے ہیں، اور ہم سب موت کے پنجے میں آ گئے ہیں۔ ہماری انسانیت المیہ طور سے بگڑ چکی ہے۔ انسان اللہ کے فرزند ہیں جو اللہ کی صورت پر خلق کئے گئے ہیں۔ تاہم وہ اللہ سے جدا ہو گئے ہیں۔ راست باز ہونے کے بجائے ہم گناہ گار ہیں۔ ہم جینے کے بجائے موت کی گرفت میں ہیں۔

ہمارا گناہ بغاوت ہے۔ یہ بُرائی کے اُن کاموں سے زیادہ ہے جو ہم کر بیٹھتے ہیں۔ ہم خود گناہ گار ہیں۔ ہمارے دل شریر ہیں۔ کتابِ مقدّس فرماتی ہے،

> دل حد سے زیادہ فریب دہ ہے، اور اُس کا علاج ناممکن ہے۔ کون اُس کا صحیح علم رکھتا ہے؟ (یرمیاہ 9:17)

جو بھی غلط کام ہم کرتے ہیں وہ سب ہمارے دل کی بُرائی کے انجام ہوتے ہیں۔ ہم خود گناہ گار ہیں، اِس لئے غلط کام کرتے ہیں۔

کتابِ مقدّس بہت مثالیں پیش کرتی ہے کہ انسان نے کس طرح گناہ اور موت کا تجربہ کیا ہے۔ ہارونؑ امام نے سونے کا بت بنانے میں لوگوں کی مدد کی (خروج 32 باب)! حضرت داؤدؑ سے زنا کاری سرزد ہوئی۔ نہ صرف یہ بلکہ جس عورت سے یہ ہوئی، اُس کے نیک شوہر کو اُنہوں نے مروا ڈالا (2 سموایل 11)۔ نبی بھی گناہ گار تھے۔ کتابِ مقدّس کسی کے بھی گناہ پر پردہ نہیں ڈالتی۔ حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، داؤدؑ—اِن سب سے ناکامیاں اور گناہ سرزد ہوئے۔ اِس لئے کتابِ مقدّس فرماتی ہے، "سب نے گناہ کیا اور اللہ کے جلال سے محروم ہیں۔"

تاریخ بھی ہماری گناہ گاری ظاہر کرتی ہے۔ انسان ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ جو عالی شان عمارتیں ایک تعمیر کرتا ہے اُنہیں دوسرا برباد کر دیتا ہے۔ سلطنتیں اور تہذیبیں عروج پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ جنگ کے سبب سے لاکھوں کروڑوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ انسانیت

موت کے اثر میں آ گئی ہے۔ ہم سب کے سب پھر گئے ہیں۔ موت ہمارا ایک عام تجربہ بن رہ گیا ہے۔

بغاوت اور نافرمانی نہ صرف انسان سے سرزد ہوئی بلکہ کچھ روحوں اور فرشتوں سے بھی۔ یہ روحانی مخلوق بھی آزاد مرضی رکھتے ہیں۔ وہ بھی اللہ سے پھر سکتے ہیں۔ ابلیس ایک ایسا فرشتہ ہے جس نے بغاوت کی۔ وہ مغرور ہو کر اللہ سے پھر گیا (یسعیاہ 14:12-14)۔ دیگر فرشتے اُس کے پیچھے ہو لئے (افسیوں 6:12؛ 2:2)۔ ابلیس اور بدروحیں مکمل طور سے باغی ہیں۔ وہ ہر اچھی چیز کو برباد کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔ اِن کا رخ موت کی طرف ہے، اور وہ لوگوں اور معاشروں کو موت کے راستے میں لانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

چاہے بُرائی روحانی اور پوشیدہ طاقتوں یا انسان سے سرزد ہو جائے وہ ہمیشہ ہی بغاوت کا انجام ہے۔ ہر طرح کی اللہ سے بغاوت بُری ہے۔ اللہ کے ساتھ صحیح رشتہ ہمیشہ اچھا ہے۔مگر انسان نے اللہ کی نافرمانی کی، اِس لئے ہم موت کے اثر میں آ گئے ہیں۔

خلاصہ

سوال یہ ہے: ہم کس طرح موت سے بچ سکتے ہیں؟ ہم جو اللہ سے پھر چکے ہیں کس طرح پھر سے خوش حال زندگی گزار سکتے ہیں؟ اللہ کی صورت جو بغاوت کے سبب سے خراب ہو چکی ہے وہ کس طرح بحال ہو سکتی ہے؟ اِن ہی سوالوں کا جواب کتابِ مقدّس میں پایا جاتا ہے۔

مسلمان کا جواب

مسلمان متفق ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ نے ممنوعہ پھل کو کھا کر اللہ کی نافرمانی کی۔ عیسائی نکتہ نظر سے جب حضرت آدمؑ اور حواؑ نے پھل کو لیا تو وہ اللہ سے اپنی آزادی کا اعلان کر رہے تھے اور اللہ کی مانند بننا چاہتے تھے۔

مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ نے اپنی خطا کو پہچانتے ہوئے اللہ سے معافی مانگی، اور اُنہیں بخشا گیا۔ حضرت آدمؑ کو زمین پر پہلا پیغمبر بھی بنایا گیا۔ عیسائی ایمان ابلیس کا کردار اِتنی اہمیت نہیں دیتا بلکہ سمجھتا ہے کہ انسان خود بغاوت کے ذمے دار ہے۔ ہم سمجھتے ہیں

کہ شیطان جو بُرائی کی طاقت ہے اُس پورے ڈرامے کا مرکز تھا۔ بلکہ باغِ عدن سے حضرت آدمؑ کے نزول کا ذمے دار بھی وہی تھا۔

مسلمان ہونے کے ناتے سے ہم حضرت آدمؑ اور حواؑ پر الزام نہیں لگاتے کہ اُن کے ذریعے تمام نسلِ انسانی میں گناہ اور بُرائی منتقل ہو گئی۔ دونوں کو معافی مل گئی، اور اُن کی نسل گناہ کے اُس اثر سے محفوظ رہی۔ گناہ نہ موروثی اور نہ ہی ناگزیر ہے۔ انسان اپنی آزاد مرضی سے گناہ کرتا ہے۔ مگر علم اور اللہ کی ہدایت سے وہ اُس سے بچ سکتا ہے۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ انسان بنیادی طور سے اچھا ہے اور عزت دار ہے۔ وہ ایک گرا ہوا مخلوق نہیں ہے۔ مسلمان یقینی طور سے متّفق نہیں ہیں کہ انبیا گناہ گار ہیں۔

عیسائی کی وضاحت

موروثی گناہ پر بحث کرنے کی نسبت زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم پہچانیں کہ ہمیں گناہ سے چھٹکارے کی ضرورت ہے۔ یہ بات زیادہ اہم ہے اِس کی نسبت کہ ہم اِس پر بحث کریں کہ گناہ کس طرح نسل در نسل منتقل ہوتا یا نہیں ہوتا۔

تیرا کلام میرے پاؤں کے لئے چراغ ہے جو میری راہ کو روشن کرتا ہے۔

(زبور شریف 105:119)

اللہ کا کلام

عیسائی کے الہامی نوشتے

عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس اللہ کا کلام ہے۔ کتابِ مقدّس خود ہی فرماتی ہے کہ

> ہر پاک نوشتہ اللہ کے روح سے وجود میں آیا ہے اور تعلیم دینے، ملامت کرنے، اصلاح کرنے اور راست باز زندگی گزارنے کی تربیت دینے کے لئے مفید ہے۔ کلامِ

> مُقدّس کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کا بندہ ہر لحاظ سے قابل
> اور ہر نیک کام کے لئے تیار ہو۔ (2 تیمتھیُس 3:16-17)

عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ مقدس نوشتے اللہ کے روح سے وجود میں آئے ہیں۔ یہی الہام کا مطلب ہے، کہ اللہ کا کلام روح کے ذریعے اُس کے مقدس بندوں کے اندر ڈالا گیا، اور نتیجے میں اُنہوں نے یہ کلام بولا یا لکھا۔

الٰہی الہام کا مطلب املا نہیں ہے۔ کتابِ مقدّس کے تمام نوشتوں میں فرق فرق مصنفوں کے کردار نظر آتے ہیں۔ داؤد ایک نظم نگار تھے، اور یہ نعمت زبور لکھنے میں استعمال ہوئی۔ نوشتوں کو قلم بند کرتے وقت مصنفوں کی نعمتیں اور کردار کام میں لائے گئے۔

کتابِ مقدّس کی ترتیب

کتابِ مقدّس کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے—پرانا عہدنامہ اور نیا عہدنامہ۔ جو عہد باندھتا ہے وہ وعدہ کرتا ہے کہ اِسے نہیں توڑوں گا۔ پرانا عہدنامہ اُس عہد کی طرف اشارہ ہے جو اللہ نے اسرائیلیوں سے سینا پہاڑ پر باندھا۔ سینا پہاڑ پر اللہ نے اُن کو اپنے احکام عطا

کیئے (خروج 20:1-17)۔ اُس نے اُنہیں دعوت دی کہ وہ اُس کے عہد کے لوگ بن جائیں۔ اُس نے وعدہ کیا کہ وہ باپ کی طرح اُن کی پرورش کرے گا۔ پرانا عہدنامہ اللہ کے اظہار اور لوگوں کے جواب کا بیان ہے۔

افسوس، اسرائیلی اللہ پر یوں بھروسا نہ کر پائے جس طرح اُنہیں کرنا چاہیئے تھا۔ سینا پہاڑ کے دامن میں ہی وہ سونے کے بچھڑے کی پرستش کرنے لگے۔ بار بار وہ اللہ کی طرف سے پھرتے گئے۔ وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے قابل نہ رہے بلکہ بہت بار وہ یہ چاہتے بھی نہیں تھے۔ وہ گناہ گار تھے (خروج 32:7-10)۔ آہستہ آہستہ اللہ نے پرانے عہدنامے کے نبیوں پر ظاہر کیا کہ پرانا عہد ناکافی ہے۔ اُن پر منکشف ہوا کہ اللہ انسان کے ساتھ ایک نیا عہد باندھنے کو ہے—قوت اور فضل کا ایک ایسا عہد جو انسان کے دل کو تبدیل کرے گا۔ گو انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا تھا تو بھی یہ صورت گناہ کے باعث بگڑ گئی تھی۔ لیکن نئے عہد سے یہ صورت بحال ہو جائے گی۔

اِس نئے عہد کے بارے میں یرمیاہ نبی فرماتا ہے،

رب فرماتا ہے، "ایسے دن آ رہے ہیں جب مَیں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے کے ساتھ ایک نیا عہد باندھوں گا۔ یہ اُس عہد کی مانند نہیں ہو گا جو مَیں نے اُن کے باپ دادا کے ساتھ اُس دن باندھا تھا جب مَیں اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں مصر سے نکال لایا۔ کیونکہ اُنہوں نے وہ عہد توڑ دیا، گو مَیں اُن کا مالک تھا۔" یہ رب کا فرمان ہے۔ "جو نیا عہد مَیں اُن دنوں کے بعد اسرائیل کے گھرانے کے ساتھ باندھوں گا اُس کے تحت مَیں اپنی شریعت اُن کے اندر ڈال کر اُن کے دلوں پر کندہ کروں گا۔ تب مَیں ہی اُن کا خدا ہوں گا، اور وہ میری قوم ہوں گے۔ (یرمیاہ 31:31-33)

پرانے عہدنامے کے انبیا پر یہ بھی ظاہر ہوا کہ نیا عہد المسیح کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ اِس طرف اشارہ باغِ عدن میں ہی ملتا ہے۔ جب حضرت آدمؑ اور حواؑ نے گناہ کیا تو اللہ نے فرمایا کہ عورت کی نسل سے ایک بچہ

پیدا ہو گا جو ابلیس کے سر کو کچلے گا (پیدائش 3:15)۔ یہ المسیح کے بارے میں پہلی پیش گوئی ہے۔ بعد میں مزید بہت سی پیش گوئیاں پیش کی گئیں کہ جو وعدے اللہ نے انسان سے کئے ہیں وہ المسیح میں پورے ہو جائیں گے۔ اُسی کے ذریعے انسان سے ایک نیا اور بہتر عہد باندھا جائے گا (یسعیاہ 11:1-9)۔

پرانا عہد نامہ بڑی تفصیل سے المسیح کے بارے میں پیش گوئیاں پیش کرتا ہے۔ مثلاً

- وہ داؤد بادشاہ کی نسل سے ہو گا (2 سموایل 7:12-13)۔
- وہ کنواری سے پیدا ہو گا (یسعیاہ 7:14)۔
- وہ بیت لحم میں پیدا ہو گا (میکاہ 5:2)۔
- وہ عمانوایل یعنی خدا ہمارے ساتھ ہو گا (یسعیاہ 7:14)۔
- وہ انسان سے قبول نہیں کیا جائے گا (یسعیاہ 53:3-9)۔
- وہ بدکاروں کے ساتھ دکھ اٹھائے گا اور مارا جائے گا (زبور 22:16-17)۔
- وہ دولت مند کی قبر میں دفن کیا جائے گا (یسعیاہ 53:9)۔

- وہ مردوں میں سے جی اُٹھے گا (زبور 10:16)۔

المسیح کی آمد کے بارے میں یہ کچھ ہی پرانے عہدنامے کی نبوتیں ہیں۔ یہ سب المسیح میں پوری ہوئیں۔

نیا عہدنامہ بیان کرتا ہے کہ اللہ نے پرانے عہدنامے کی پیش گوئیوں کو المسیح میں کس طرح پورا کرکے نیا عہد قائم کیا۔ اُس میں المسیح کی زندگی اور تعلیمات اور اُمت کی تعمیر اور سرگرمیاں بیان کی گئی ہیں۔ پرانا عہدنامہ المسیح کی آمد کی طرف اشارہ ہے جبکہ نیا عہدنامہ ظاہر کرتا ہے کہ المسیح آچکا ہے۔

اللہ کے مکاشفے کو سمجھنے کے لئے پرانے عہد نامے اور نئے عہدنامے دونوں کی ضرورت ہے۔ پرانا عہد نامہ نئے عہد نامے کی تیاری کرتا ہے؛ عیسائیوں کا ایمان ہے کہ دونوں عہدنامے اللہ کا الہامی کلام ہیں۔

اِن دو عہدناموں میں کیا قلم بند ہوا ہے؟ حقیقت میں کتابِ مقدس ایک کتب خانہ ہے جس کی کتابیں کئی صدیوں میں تصنیف ہوئیں۔ اِن کو یوں تقسیم کیا جاتا ہے:

توریت — تاریخی صحائف — صحائفِ حکمت اور زبور — صحائفِ انبیا — انجیل

پہلے چار حصے پرانا عہد نامہ کہلاتے ہیں اور عبرانی اور ارامی زبان میں مرقوم ہوئے۔ انجیل کو نیا عہدنامہ بھی کہا جاتا ہے، اور وہ یونانی زبان میں قلم بند ہوئی۔

پرانا عہدنامہ

توریت پرانے عہدنامے کا پہلا حصہ ہے۔ اُس میں کتابِ مقدّس کی پانچ کتابیں پائی جاتی ہیں—پیدائش، خروج، احبار، گنتی، اور استثنا۔ توریت بلکہ پورے پرانے عہدنامے کا سب سے اہم نبی حضرت موسیٰؑ ہیں۔ توریت میں لکھا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ عہد کے کلام کو لکھیں (خروج 34:27-28)۔ یہ غیرمعمولی ہے۔ عام طور پر نبی اللہ کے کلام کو سن کر منادی کرتے تھے۔ پھر اُن کے شاگرد یہ کلام قلم بند کرتے۔ (نوٹ کریں یرمیاہ 4:36)۔ مگر حضرت موسیٰؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے کلام کے کچھ حصے اپنے ہی ہاتھ سے لکھا (استثنا 31:9)۔

ہمیں پورا یقین ہے کہ تورات کا مکمل نسخہ حضرت موسیٰؑ اور اُن کے شاگردوں کے وسیلے سے ہم تک پہنچ گیا ہے۔[a]

توریت کے بعد تاریخی صحائف اور صحائفِ حکمت اور زبور درج ہیں۔

تاریخی صحائف میں ذیل کی کتابیں درج ہیں:

یشوع، قضاۃ، روت، 1 اور 2 سموایل، 1 اور 2 سلاطین، 1 اور 2 تاریخ، عزرا، نحمیاہ اور آستر۔

صحائفِ حکمت اور زبور میں ذیل کی کتابیں درج ہیں:

ایوب، زبورشریف، امثال، غزل الغزلات اور واعظ۔ حضرت داؤد نے کئی زبور لکھے۔ بہت سے زبور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔

پرانے عہدنامے کا چوتھا حصہ صحائفِ انبیا ہیں۔ اِن میں ذیل کی کتابیں درج ہیں:

یسعیاہ، یرمیاہ، نوحہ، حزقی ایل، دانیال، ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدیاہ، یونس، میکاہ، ناحوم، حبقوق، صفنیاہ، حجی، ذکریا اور ملاکی۔

---

[a]W.F. Albright, *From the Stone Age to Christianity*, (New York: Doubleday, 1957), pp 249-272.

پرانے عہدنامے کے تمام نوشتے الہامی ہیں۔ تو بھی نبیوں کے صحائف کچھ فرق ہیں۔ جب بھی اللہ کے بندوں کا ایمان زوال پر آتا تو وہ اپنے نبیوں کو بھیجتا تاکہ وہ لوگوں کو واپس لائیں۔ تمام نبیوں کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ وہ توبہ کرکے اُس عہد کی طرف رجوع کریں جو اللہ نے سینا پہاڑ پر اُن کے ساتھ باندھا تھا۔ ساتھ ساتھ انبیا پر ظاہر ہوتا گیا کہ پرانا عہد ناکافی ہے۔ لہٰذا اُن کے نوشتوں میں المسیح کی آمد کی پیش گوئیاں پائی جاتی ہیں۔

پرانے عہدنامے کا ایک عظیم نبی یسعیاہ تھے جنہوں نے پیش گوئی کی کہ المسیح ایک نیا عہد قائم کرے گا جو تمام انسان کے لئے برکت کا باعث ہو گا۔ اُس نے یہ بھی نبوت کی کہ المسیح دکھ اٹھائے گا اور لوگوں کے گناہوں کے لئے اپنی جان دے گا۔

نیا عہدنامہ

نیا عہدنامہ مجموعی طور پر انجیل کہلاتا ہے۔ پہلے چار نوشتے المسیح کی زندگی اور تعلیمات بیان کرتے ہیں۔ حقیقت میں المسیح خود ہی انجیل ہیں۔ انجیل

کا لفظ ایک یونانی لفظ کی عربی شکل ہے جس کے معنی خوش خبری یا بشارت ہیں۔

المسیح خود ہی انجیل ہیں۔ جو اُن کے قریب تھے وہ شاگرد کہلاتے تھے۔ المسیح نے اُن میں سے کچھ رسول مقرر کئے۔ یہ شاگرد اور رسول بعد میں بھی انجیل کے گواہ رہے۔ وہ المسیح کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ وہ اُن کو شخصی طور سے جانتے تھے۔ المسیح کی موت اور قیامت کے بعد اللہ نے رسولوں کو الہام دیا کہ جو کچھ اُنہوں نے دیکھا اور سنا اُسے قلم بند کریں۔ اِن گواہیوں کے چار نوشتے ہیں: متی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔ ہر ایک المسیح سے متعلق ایک رسولی گواہی ہے۔ یہ بات کہ یہ نوشتے گواہی دیتے ہیں لوقا کی انجیل میں بیان کیا گیا ہے،

> بہت سے لوگ وہ سب کچھ لکھ چکے ہیں جو ہمارے درمیان واقع ہوا ہے۔ اُن کی کوشش یہ تھی کہ وہی کچھ بیان کیا جائے جس کی گواہی وہ دیتے ہیں جو شروع ہی سے ساتھ تھے اور آج تک اللہ کا کلام سنانے کی

> خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ مَیں نے بھی ہر ممکن کوشش کی ہے کہ سب کچھ شروع سے اور عین حقیقت کے مطابق معلوم کروں۔ اب مَیں یہ باتیں ترتیب سے آپ کے لئے لکھنا چاہتا ہوں۔ آپ یہ پڑھ کر جان لیں گے کہ جو باتیں آپ کو سکھائی گئی ہیں وہ سچ اور درست ہیں۔ (لوقا 1:1-4)

انجیل کی گواہی اِس لئے قلم بند ہوئی کہ ہم یہ پڑھ کر جان لیں کہ کیا کچھ سچ اور درست ہے۔

نئے عہدنامے میں نہ صرف المسیح کی زندگی اور تعلیم کو قلم بند کیا گیا ہے۔ پانچویں کتاب رسولوں کے اعمال ہے۔ یہ کتاب ابتدائی اُمت کی مختصر تاریخ پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ نئے عہد کی اُمت کس طرح قائم ہوئی۔ کہ اُنہوں نے خوش خبری دنیا کے کونے کونے تک کیسے پھیلائی۔ اعمال کی کتاب میں رسولوں کے کئی وعظ بھی شامل ہیں۔ یہ پیغامات المسیح کا دنیا میں آنے کا مقصد بیان کرتے ہیں۔

اِس کے بعد رسولی خطوط درج ہیں۔ ذیل میں اِن کے نام درج ہیں:

رومیوں، 1 اور 2 کُرنتھیوں، گلتیوں، اِفسیوں، فِلپیوں، کُلسیوں، 1 اور 2 تھسلُنیکیوں، 1 اور 2 تیمُتھیُس، طِطُس، فلیمون، عبرانیوں، یعقوب، 1 اور 2 پطرس، 1، 2 اور 3 یوحنا، یوداہ اور مکاشفہ۔

یہ خطوط اُمت کی راہنمائی کے لئے لکھے گئے۔

مثلاً پولس رسول نے فلپیوں کا خط فلپی شہر کی جماعت کی راہنمائی کے لئے لکھا۔ عبرانیوں کے نام خط بیان کرتا ہے کہ المسیح کس طرح پرانے عہدنامے کی تکمیل ہیں۔ یعقوب کا خط بیان کرتا ہے کہ عیسائیوں کا چال چلن کس طرح ہونا چاہیئے۔ تمام خطوط عیسائی ایمان اور چال چلن کے بارے میں تعلیم دیتے ہیں۔

دیگر خطوط اُمت کے راہنماؤں کو لکھے گئے اُنہیں یہ تعلیم دینے کے لئے کہ کس طرح اُمت کی راہنمائی کریں۔ مثلاً پولس رسول کے دو خطوط ایک جوان پاسبان بنام تیمُتھیُس کو لکھے گئے۔ ایک اَور دل چسپ خط فلیمون کو لکھا گیا جس میں اُس کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے غلام سے برادرانہ محبت رکھے۔ رسول سے یہ خط حاصل کرنے کے بعد غالباً مالک نے اُس غلام کو آزاد کر دیا۔ نئے عہدنامے کی آخری کتاب

مکاشفہ ہے۔ اُس میں المسیح کی اُس فتح کا بیان ہے جو آخرت میں ظاہر ہو گی۔

کتابِ مقدّس ایک انوکھی کتاب ہے۔تیس سے زیادہ نبیوں اور رسولوں کی تعلیم کتابِ مقدّس میں قلم بند ہوئی ہے۔ کتابِ مقدّس کے نوشتے ہزار سے زیادہ سالوں کے دوران قلم بند ہوئے۔ اِس کے باوجود تام تحریروں میں انوکھا اتفاق پایا جاتا ہے۔سب میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ کا منصوبہ تاریخ میں جاری ہے۔ اُس کی منشا انسان کو گناہ سے چھٹکارا دینا اور موت سے بچانا ہے۔ اُس کا چھٹکارے کا کام المسیح میں پورا ہوا اور تکمیل تک پہنچا۔

نسخے اور ترجمے

قدیم زمانے میں کتابِ مقدّس کے تام نسخوں کو ہاتھ سے نقل کئے جاتے تھے۔ جب ایک نسخے کو نقل کیا جاتا ہے تو ہمیشہ انسانی غلطیوں کے امکان ہو سکتے ہیں۔ پندرھویں صدی میں کتابِ مقدّس پرنٹنگ پریس کے ذریعے چھپنے لگی۔ اِس سے غلطیوں کا امکان ختم ہوا۔ اِس کے باوجود ماہرین کی یہ کوشش رہی ہے کہ موجودہ کتابِ مقدّس کا متن اصل اور

ابتدائی نسخوں کے عین مطابق ہو۔ یہ سرانجام دینے کے لئے وہ موجودہ نسخوں کا قدیم نسخوں سے موازنہ کرتے ہیں۔

پرانا عہدنامہ عبرانی اور اَرامی زبان میں قلم بند ہوا جبکہ نیا عہدنامہ یونانی زبان میں لکھا گیا۔علما جاننا چاہتے ہیں کہ موجودہ عبرانی، اَرامی اور یونانی نسخے بھروسے کے لائق ہیں یا نہیں۔ اِس کے لئے وہ سائنس کے جدیدترین طریقے استعمال کرتے ہیں۔

جدید دور میں کئی ایک قدیم ترین نسخے پائے گئے ہیں۔ مثلاً 1947 میں بحیرۂ مردار کے قریب قمران میں پرانے عہدنامے کے ایسے نسخے ملے جو دوسری صدی قبل از مسیح کے ہیں۔ اِسی طرح نئے عہدنامے کے کئی ایک قدیم ترین نسخے پائے گئے ہیں۔ اِن میں سے ایک المسیح کی موت کے سو سال کے اندر ہی لکھا گیا۔ اِس وقت ہمارے پاس نئے عہدنامے کے کم ازکم پانچ ہزار قدیم نسخے دستیاب ہیں۔ اِن قدیم نسخوں کے مطالعے نے اِس کی تصدیق کی کہ جو کتابِ مقدّس آج ہمارے پاس موجود ہے وہ اصل کے عین مطابق ہے۔علما یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ انجیل اور اصل میں فرق نہ ہونے کے برابر

ہے۔ جہاں معمولی سے فرق کا امکان ہے وہاں اُس کا کتابِ مقدّس کے پیغام پر کوئی بھی اثر نہیں پڑتا۔[a]

ہم عیسائی اِس پر بہت زور دیتے آئے ہیں کہ کتابِ مقدّس کا متن قابلِ اعتبار ہو، کیونکہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس اوّل درجے کا اختیار رکھتی ہے۔ خود المسیح نے فرمایا،

> مَیں تم کو سچ بتاتا ہوں، جب تک آسمان و زمین قائم رہیں گے تب تک شریعت بھی قائم رہے گی — نہ اُس کا کوئی حرف، نہ اُس کا کوئی زیر یا زبر منسوخ ہو گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ (متی 18:5)

المسیح کے مطابق زیر اور زبر تک بھی اہم ہے۔

اور مکاشفے کی کتاب فرماتی ہے،

> مَیں، یوحنا ہر ایک کو جو اِس کتاب کی پیش گوئیاں سنتا ہے آگاہ کرتا ہوں، اگر کوئی اِس کتاب میں کسی بھی

[a]Sean Kealy, *The Changing Bible*, (Nairobi: N.D.), p 87.

> بات کا اضافہ کرے تو اللہ اُس کی زندگی میں اُن بلاؤں کا اضافہ کرے گا جو اِس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ اور اگر کوئی نبوّت کی اِس کتاب سے باتیں نکالے تو اللہ اُس سے کتاب میں مذکور زندگی کے درخت کے پھل سے کھانے اور مُقدّس شہر میں رہنے کا حق چھین لے گا۔ (مکاشفہ 22:18-19)

ایسی سخت آگاہوں کے پیشِ نظر کون کتابِ مقدس میں تبدیلی لائے گا؟ عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس اللہ کا الہامی کلام ہے۔ اِس لئے وہ اِس کی تصدیق کرتے آئے ہیں کہ کتابِ مقدّس کا متن قابلِ اعتماد ہے۔

ہم عیسائی سمجھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس کا دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ کیا جانا چاہیئے۔ کتابِ مقدّس کا پیغام یہ ہے کہ اللہ نے خود کو انسان پر ظاہر کیا۔ انسان اِس مکاشفے کو تب صاف سمجھ سکتا ہے جب وہ اُسے اپنی مادری زبان میں پڑھ اورسن سکتا ہے۔ ترجموں کے پیچھے یہی خیال ہے۔ یہودیوں نے چوتھی صدی قبل از مسیح پرانے عہدنامے کا

یونانی ترجمہ کیا۔ عیسائی ایمان داروں نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ دوسری صدی عیسوی سے ہی کتابِ مقدّس کا ترجمہ مقامی زبانوں میں ہونے لگا۔ غالباً شام میں پہلا ترجمہ ارامی زبان میں ہوا۔ پھر مصری زبان میں، شمالی افریقہ میں لاطینی زبان میں اور ایتھوپیا کی زبان میں۔ آج بھی ہم کتابِ مقدّس کا مقامی زبانوں میں ترجمہ اپنا اوّل فرض سمجھتے ہیں۔ کتابِ مقدّس کے کم از کم کچھ حصوں کا ترجمہ دو ہزار سے زیادہ زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ اُمت کی یہ خواہش ہے کہ تمام دنیا کے لوگ اللہ کے کلام کو اپنی مادری زبان میں پڑھ سکیں۔

خلاصہ

عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس اللہ کا کلام ہے۔ کتابِ مقدّس اللہ کے اُن کاموں کا بیان ہے جو اُس نے اپنے عہد کے لوگوں کے ساتھ کئے۔ اِس کے علاوہ کلام اللہ کے نئے عہد کا بیان بھی ہے جو المسیح سے قائم ہوا۔ کلام اِن کاموں کی تشریح بھی کرتا ہے۔

مسلمان کا جواب

قرآن شریف نے توریت شریف، زبور شریف اور انجیل شریف کی بہت تعظیم کی ہے۔ وہ مانتا ہے کہ یہ نوشتے الٰہی ہدایات پیش کرتے ہیں۔ جن نبیوں پر یہ نوشتے نازل ہوئے (حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ) اُن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم انبیا تھے۔ مسلمان اِس کا انکار نہیں کرتے کہ یہ نبی ہیں۔

تو بھی مکاشفے اور پاک نوشتوں کے بارے میں عیسائیوں کا خیال مسلم سوچ سے بہت فرق ہے۔ عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ کتابِ مقدّس الہامی ہے مگر املا کے ذریعے قلم بند نہ ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اپنے ہی الفاظ اور کردار کے ذریعے ہی اللہ کا کلام بیان کیا۔ نیز کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ہی انجیل ہیں۔

اِس کے برعکس مسلمان مانتے ہیں کہ الہامی نوشتے براہِ راست اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ نبیوں کی زندگیاں الٰہی پیغام کا حصہ نہیں ہوسکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان سمجھتے ہیں کہ گو احادیث ضروری ہیں تو بھی وہ قرآن شریف کے برابر نہیں ہیں۔

افسوس کہ عیسائی نہیں مانتے کہ قرآن شریف اللہ کا آخری اور حتمی مکاشفہ ہے۔

کوئی بھی پیش گوئی کبھی بھی انسان کی تحریک سے وجود میں نہیں آئی بلکہ پیش گوئی کرتے وقت انسانوں نے روح القدس سے تحریک پا کر اللہ کی طرف سے بات کی۔ (2پطرس 21:1)

انبیا کا کردار

عیسائی کا عقیدہ

کتابِ مقدّس اللہ کی نجات کے کام سناتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اِن کاموں کی تشریح بھی کرتی ہے۔ خدا اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے اِن کاموں کا مطلب بتاتا ہے۔

ہم کلام کا یہ کردار ایک مثال سے واضح کر سکتے ہیں۔ متی رسول المسیح کی پیدائش بیان بھی کرتا ہے اور اُس کی تشریح بھی کرتے ہیں (متی 18:1–23:2)۔ متی فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف اور کنواری مریم کی شادی سے پہلے مریم حاملہ پائی گئی۔ فرشتے نے یوسف اور کنواری مریم

کو بتایا کہ یہ روح القدس کے وسیلے سے ہوا ہے۔ تب نجات دہندہ بیت لحم قصبے میں پیدا ہوا۔

مجوسیوں نے مشرق میں ایک خاص ستارہ دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے نشان ہے کہ یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہوا ہے۔ وہ نذرانے لے کر بچے کو ڈھونڈتے ہوئے یروشلم پہنچ گئے۔ یروشلم میں اُن کی ملاقات ہیرودیس بادشاہ اور فقیہوں سے ہوئی جو المسیح سے متعلق پیش گوئیوں سے واقف تھے۔ مجوسیوں کو بتایا گیا کہ المسیح بیت لحم میں پیدا ہو گا۔ جب وہ بیت لحم پہنچے تو اُنہوں نے المسیح کو مریم اور یوسف کے ساتھ پایا۔ اُنہوں نے خدا کی حمد و ثنا کرکے اُنہیں قیمتی نذرانے پیش کیئے۔

تب ایک فرشتے نے اُنہیں آگاہ کیا کہ وہ یروشلم کو واپس نہ جائیں۔ کیونکہ ہیرودیس بادشاہ بچے کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں جب ہیرودیس کو معلوم ہوا کہ مجوسی دوسرے راستے سے اپنے ملک کو لوٹ گئے تو اُسے سخت غصہ آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ بیت لحم کے جتنے نرینہ بچے دو سال اور اِس سے چھوٹے ہوں اُنہیں مار دیا جائے۔ لیکن حضرت

عیسیٰ ؑ بچ گئے، کیونکہ فرشتے نے خواب میں حضرت یوسف کو ہدایت دی کہ وہ اپنی بیوی اور بچے کو لے کر مصر چلے جائیں۔ جب ہیرودیس مر گیا تو حضرت یوسف اور مریم حضرت عیسیٰ ؑ کو لے کر مصر سے لوٹ آئے اور ناصرت میں رہنے لگے۔ یوں المسیح کی پیدائش اور بچپن کے ایام کے بارے میں پرانے عہدنامے کی پیش گوئیوں کی تکمیل ہوئیں۔

اِس بیان میں مکاشفے کے تین عنصر پائے جاتے ہیں—خدا کا کام، لوگوں کا جواب اور اِس کی تشریح۔ اللہ کا نجات دینے والا کام المسیح کی پیدائش ہے۔ اِس کے دو جواب پائے جاتے ہیں۔ مجوسی ایمان لاتے ہیں جبکہ ہیرودیس خدا کا یہ کام رد کرتا ہے۔ ہیرودیس بچے کے خلاف، نجات کے اِس کام کے خلاف بلکہ خود اللہ کے خلاف لڑتا ہے۔ اِس کام یعنی پیدائش کی تشریح اِس کا ہمارے لئے مطلب بیان کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نجات دہندہ پیدا ہو گیا ہے، اور کچھ لوگ اِس کا انکار کرتے ہیں جبکہ دوسرے اُسے قبول کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم

ایمان لائیں گے یا نہیں۔ یہی تین باتیں کتابِ مقدّس کے مکاشفے میں پائی جاتی ہیں: خدا کا کام، اِس کا جواب اور اِس کی تشریح۔

کتابِ مقدّس انکشاف کرتی ہے کہ اللہ ہم سے عہد باندھنا چاہتا ہے۔ وہ ہم سب کو نجات دینا چاہتا ہے۔ کلام اللہ کے نجات دینے والے بے شمار کام بیان کرتا ہے۔ مثلاً:

- اللہ نے نوح اور اُن کے خاندان کو طوفان سے بچایا۔
- اللہ نے ابراہیم کے بیٹے کی جان کو مینڈھے کی قربانی کے ذریعے بچایا۔
- اللہ ایک جلتی جھاڑی میں حضرت موسیٰؑ پر ظاہر ہوا۔
- اللہ نے عہد کے لوگوں کو فرعون کی غلامی سے چھڑایا۔
- اللہ نے اسرائیلیوں کو خشک زمین پر سمندر میں سے گزرنے دیا۔
- اللہ نے اُنہیں بیابان میں مَن کھلایا جب خوراک نہیں تھی۔
- اللہ نے اُنہیں سینا پہاڑ پر دس احکام دیئے۔
- اللہ نے اُنہیں بیابان میں چٹان سے پانی پلایا۔

- اللہ نے بیابان میں اُن کے کپڑوں اور جوتوں تک اُن کی حفاظت کی۔

کلام میں اَن گنت اَور الٰہی کام درج ہیں۔ اِن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان کی نجات میں کتنی دل چسپی لیتا ہے۔ اللہ کے یہ عجیب و غریب کام تمام الٰہی مکاشفے کا مرکزی پہلو ہیں۔ خدا اپنے کاموں سے جانا جاتا ہے۔ لہٰذا کتابِ مقدّس کا ایک بڑا حصہ بیان کرتا ہے کہ اللہ نے کیا کچھ کیا ہے۔

لیکن اللہ کے کام ہمیشہ انسان کو جواب دینے پر مجبور کرتے ہیں۔ جب اللہ کام کرتا ہے تو لوگ یا اِسے قبول یا رد کرتے ہیں۔ یا وہ ایمان لاتے ہیں یا ایمان سے دُور ہو جاتے ہیں۔ یا وہ توبہ کرتے ہیں یا باغی ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے کام جواب کا تقاضا کرتے ہیں۔

انسانی جواب کا یہ بیان انسان کے دل کی فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ ظالم ہیرودیس کا جواب ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم بھی ایسے ہی ہوتے ہیں: جب ہماری کرسی خطرے میں ہے تو ہم اُس سے نفرت کرتے ہیں جو خطرے کا باعث ہے۔ مجوسی کی تلاش ہمیں یاد دلاتی ہے کہ

ہمیں سچائی کی تلاش میں رہنا ہے۔ انسانی جواب کلام کا ایک اہم پہلو ہے، کیونکہ اِس سے ہم پہچانتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور کہ ہمیں چھٹکارے کی ضرورت ہے۔

اللہ کے کام اور انسان کا جواب—مکاشفے کے یہ دو پہلو ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے۔ ہم صرف الٰہی مکاشفے کے ذریعے الٰہی اور انسانی رشتے کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ الہام کے ذریعے اللہ نے رسولوں اور نبیوں کو اپنے کاموں اور انسانی جواب کا مطلب پیش کیا۔

اکثر کتابِ مقدّس میں لکھا ہے کہ نبی نے خدا کے کلام کو "دیکھا" یا "سنا" (یسعیاہ 1:1؛ عبدیاہ 1:1؛ میکاہ 1:1؛ حبقوق 1:1)۔ الٰہی مکاشفہ یوں ہی ہوا۔ اللہ نے اپنے کاموں کا صحیح مطلب اپنے رسولوں اور نبیوں پر ظاہر کیا۔ تب اُنہوں نے یہ مطلب وعظ، تعلیم یا تحریر کے ذریعے لوگوں کو سنایا۔ ہم اِسی لئے خدا کی نجات پہچان سکتے ہیں کہ اُس کے پیغمبروں نے اُس کے کاموں کی تشریح کی ہے۔

متی رسول نے پیدائش کے واقعے کو قلم بند کیا۔ ساتھ ہی اُس نے انسان کا جواب بھی بیان کیا اور واقعے کا مطلب بھی بتایا۔ اُس نے فرمایا کہ اُس کا نام عیسیٰ ہے، کیونکہ

> وہ اپنی قوم کو اُس کے گناہوں سے رِہائی دے گا۔
>
> (متی 21:1)

یوں کلام میں خدا کا بیان اور اُس کی تشریح دونوں موجود ہیں۔ اللہ کا کام، انسان کا جواب اور اُس کی تشریح—یہ تینوں کلام میں شامل ہوتے ہیں۔

مسلمان کا جواب

مسلمان اِس پر زور دیتے ہیں کہ مختلف زمانوں اور قوموں میں نبی کھڑے ہوئے۔ یوں اللہ انسان کو لگاتار ہدایت دیتا آیا ہے، کیونکہ وہ اِس دنیا میں اور آنے والے جہان میں انسان کی فلاح و بہبود چاہتا ہے۔

عیسائی اِس پر زور دیتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کاموں کی صحیح تشریح کے لئے الہام کا ذریعہ استعمال کیا۔ مسلمان انکار نہیں کرتے کہ ایسا

الہام نہیں ہو سکتا۔لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے مکاشفے کو اپنے پیغمبروں پر نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ فرشتے کو اپنا پیغام دیا جس نے اِسے براہِ راست نبیوں کو سنایا۔ جو کچھ نبیوں نے پیش کیا وہ لفظ بہ لفظ وہ پیغام تھا جو فرشتے نے اُنہیں سنایا تھا۔

قرآن شریف میں مکاشفے کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں: انزل (الانعام 92:6)، اوحی (الانعام 19:6)، اوحیٰ (الشعرا 63:26)، نزّل (الفرقان 1:25)، عطیٰ (الکوثر 1:108)، تنزیل (یس 5:36)۔ یہ تمام الفاظ اِس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پیغام کسی کے وسیلے سے نازل کرواتا ہے نہ کہ خود نازل ہوتا ہے۔ تمام الٰہی مکاشفے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اِن کی نسبت صوفیوں کا الہامی علم کم درجہ رکھتا ہے۔

اسلام میں نہ تاریخی واقعات اور نہ ہی انسان کا جواب مکاشفے کا درجہ رکھتے ہیں۔ جو مکاشفہ نبی پر نازل ہوتا ہے اُس پر تاریخ اثرانداز نہیں ہوتی۔ مکاشفہ صرف اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔

عیسائی کی وضاحت

جب عیسائی کہتے ہیں کہ مقدس نوشتے الہامی ہیں تو اُن کا مطلب ہوتا ہے کہ نوشتے اللہ کے روح کے ذریعے پیغمبر میں ڈالے گئے ہیں۔ یہ اُس علم سے مطابقت نہیں رکھتا جو صوفی حاصل کرتے ہیں۔ تمام پاک نوشتوں کے مکاشفے تجسم ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اُس کے بیٹا ہو گا اور اُس کا نام عیسیٰ رکھنا، کیونکہ وہ اپنی قوم کو اُس کے گناہوں سے رِہائی دے گا۔ (متی 21:1)

المسیح

عیسائی کا عقیدہ

المسیح کی زندگی اور تعلیمات انجیل کی اُن چار کتابوں میں درج ہیں جو متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی معرفت مرقوم ہوئیں۔ ہر ایک انجیل رسولوں اور اُن کے قریبی ساتھیوں سے قلم بند ہوئی۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ یہ معتبر گواہ ہیں۔

المسیح کی زندگی اور تعلیم

المسیح فلسطین کے قصبے بیت لحم میں پیدا ہوئے۔ غالباً اُن کی پیدائش 4 ق ہوئی۔ اُن دنوں میں قیصر آگستس روم کی سلطنت کا بادشاہ تھا۔

جبرائیلؑ فرشتہ کنواری مریم پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ تُو المسیح کی ماں بننے والی ہے:

> روح القدس تجھ پر نازل ہو گا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھ پر چھا جائے گا۔ اِس لئے یہ بچہ قدوس ہو گا اور اللہ کا فرزند کہلائے گا۔ (لوقا 35:1)

پیدائش ہوتے وقت بی بی مریم اور حضرت یوسف 200 کلو میٹر کا سفر کرکے بیت لحم آئے تھے۔ ایک مردم شماری کی وجہ سے اُنہیں کسی بھی سرائے میں جگہ نہ ملی تھی۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو اُنہیں چرنی میں لٹا دیا گیا۔ اُس وقت کچھ چرواہے قریب ہی کھلے میدان میں اپنے ریوڑوں کی پہرے داری کر رہے تھے۔ فرشتوں نے اُن پر ظاہر ہو کر پیدائش کا اعلان کیا۔ بیت لحم جا کر چرواہوں نے بچے کو حضرت یوسف اور مریم کے پاس پایا اور اُسے سجدہ کیا۔ بعد میں مجوسی مشرق سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے آئے۔ تھوڑی

دیر بعد حضرت یوسف اور بی بی مریم بچے کو لے کر ہیرودیس بادشاہ سے بچنے کے لئے مصر فرار ہوئے۔

مصر سے لوٹنے کے بعد یہ خاندان گلیل کے ناصرت میں رہنے لگا، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پلے بڑھے۔ غالباً وہ بڑھئی تھے، کیونکہ یہ حضرت یوسف کا پیشہ تھا۔ ہم اُن کے بچپن کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ صرف ایک واقعہ لوقا کی انجیل میں قلم بند ہے۔ جب آپ 12 سال کے تھے تو آپ ماں باپ کے ساتھ عبادت کے لئے یروشلم کو گئے۔ اُس وقت مذہب کے راہنما آپ کی باتیں سن کر آپ کی پاک نوشتوں کے بارے میں سمجھ سے دنگ رہ گئے۔

المسیح تقریباً 30 سال کے تھے جب آپ نے اپنی خدمت شروع کی۔ اپنی اِس خدمت کا آغاز یوں ہوا کہ آپ نے دریائے یردن میں حضرت یحییٰ سے پانی کا بپتسمہ لیا۔ انجیل فرماتی ہے،

> ایک دن جب بہت سے لوگوں کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو عیسیٰ نے بھی بپتسمہ لیا۔ جب وہ دعا کر رہا تھا تو آسمان

کھل گیا اور روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی طرح
اُس پر اُتر آیا۔ ساتھ ساتھ آسمان سے ایک آواز سنائی
دی، "تُو میرا پیارا فرزند ہے، تجھ سے مَیں خوش ہوں۔"

(لوقا 3:21-22)

بپتسمے کے عین بعد اللہ کا روح آپ کو بیابان میں لے گیا جہاں آپ نے 40 دن کے روزے رکھے۔ اِس کے بعد ابلیس نے آپ کو سخت آزما کر کہا کہ پتھروں کو روٹیوں میں تبدیل کر۔ پھر کہا کہ بیت المقدّس کی سب سے اونچی جگہ سے چھلانگ لگا کر اپنی قدرت کا اظہار کر۔ اِس کے بعد ابلیس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام ممالک اور اُن کی شان و شوکت دے دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ تُو مجھے سجدہ کرے۔ جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پاک نوشتوں کے حوالے دے کر ابلیس کی باتیں رد کیں۔ آخرکار ابلیس المسیح کو چھوڑ کر چلا گیا اور اللہ کے فرشتے آ کر آپ کی خدمت کرنے لگے۔

اِس آزمائش کے بعد آپ کی خدمت کا آغاز ہوا۔ یہ خدمت تقریباً 3 سال تک جاری رہی۔ منادی کے سلسلے میں آپ فلسطین میں جگہ جگہ گھومے پھرے۔

آپ کی خدمت ناصرت کے عبادت خانے میں شروع ہوئی۔ آپ نے کھڑے ہو کر یسعیاہ نبی کا نوشتہ پڑھ کر سنایا جہاں لکھا ہے،

> رب کا روح مجھ پر ہے، کیونکہ اُس نے مجھے تیل سے مسح کر کے غریبوں کو خوش خبری سنانے کا اختیار دیا ہے۔ اُس نے مجھے یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رِہائی ملے گی اور اندھے دیکھیں گے۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے کہ مَیں کچلے ہوؤں کو آزاد کراؤں اور رب کی طرف سے بحالی کے سال کا اعلان کروں۔
>
> (لوقا 4:18-19)

اِسے پڑھنے کے بعد آپ نے اعلان کیا،

> آج اللہ کا یہ فرمان تمہارے سنتے ہی پورا ہو گیا ہے۔
>
> (لوقا 4:21)

یوں المسیح نے اعلان کیا کہ مجھ میں اللہ کی بادشاہی آ گئی ہے۔ نیا عہد قائم ہوا ہے۔ المسیح نے اپنی پوری خدمت سے اِس بادشاہی کی آمد ظاہر کی۔

المسیح کے معجزے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اندھوں، کوڑھیوں، لنگڑوں اور بہروں کو شفا دی۔ آپ نے بے شمار بدروحوں کو نکالا اور مُردوں کو جِلایا۔ ایک موقعے پر آپ نے پانچ روٹیوں اور دو چھوٹی مچھلیوں سے 5000 مردوں کو کھانا کھلایا جن میں عورتیں اور بچوں کی گنتی نہیں کی گئی تھی۔ ایک اَور موقعے پر آپ نے سات روٹیوں اور کچھ مچھلیوں سے 4000 مردوں کو کھانا کھلایا جن میں عورتیں اور بچوں کی گنتی نہیں کی گئی تھی۔ ایک مرتبہ جب آپ کے شاگرد گلیل کی جھیل کے بیچ میں طوفان سے گھرے ہوئے تھے تو آپ پانی پر چل کر اُن کے پاس پہنچے۔ تب آندھی ایک

دم تھم گئی۔ لوگوں نے خوشی منا کر گواہی دی کہ آپ کو زبردست قوت حاصل ہے (لوقا 19:24)۔

المسیح کی عظیم تعلیم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مؤثر طریقے سے تمثیلیں سنائیں۔ اِن میں آپ نے کسی کہانی یا موازنے سے کوئی سچائی ظاہر کی۔ آپ کی کئی ایک تمثیلیں اللہ کی بادشاہی کا مطلب ظاہر کرتی تھیں۔ کچھ تو مختصر ہی ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا،

> آسمان کی بادشاہی خمیر کی مانند ہے جو کسی عورت نے لے کر تقریباً 27 کلو گرام آٹے میں ملا دیا۔ گو وہ اُس میں چھپ گیا تو بھی ہوتے ہوتے پورے گُندھے ہوئے آٹے کو خمیر بنا دیا۔ (متی 33:13)

دیگر تمثیلیں کچھ لمبی ہیں۔ جیسے کھوئے ہوئے بیٹے کی تمثیل جس میں بیٹے نے اپنے باپ کے گھر کو چھوڑ کر اپنا پیسہ عیاشی میں اڑا دیا۔ جب ہوش میں آیا تو وہ اپنے باپ کے پاس واپس آیا۔ وہ ابھی گھر سے دُور ہی تھا

کہ باپ بھاگ کر بیٹے کے پاس آیا اور گلے لگا کر اُسے بوسہ دیا۔ پھر نوکروں کو حکم دیا کہ بڑا جشن منایا جائے (لوقا 15:11-32)۔

المسیح نے گفتگو کے ذریعے بھی تعلیم دی۔ آپ سوال و جواب کا طریقہ استعمال کرکے اُنہیں سچائی کی طرف لائے۔ المسیح ایک عظیم واعظ بھی تھے۔ ہزاروں لوگ گھنٹوں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنتے تھے۔ انجیل فرماتی ہے،

> لوگ اُس کی تعلیم سن کر ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ وہ اُن کے علما کی طرح نہیں بلکہ اختیار کے ساتھ سکھاتا تھا۔
>
> (متی 7:28-29)

المسیح سے مخالفت

آہستہ آہستہ مخالفت شروع ہوئی۔ اِس مخالفت کے کئی ایک اسباب تھے۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام سختی سے مذہب کی ہر جھوٹی شکل کی تنقید کرتے تھے۔ آپ مذہبی منافقت کی ملامت کرتے اور گناہ گاروں سے محبت رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ

> مَیں راست بازوں کو نہیں بلکہ گناہ گاروں کو بُلانے آیا ہوں تاکہ وہ توبہ کریں۔ (لوقا 32:5)

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے گناہوں کو معاف کیا۔ یہ دیکھ کر مذہبی راہنما آپ سے ناراض ہوئے، کیونکہ وہ کہتے تھے کہ صرف اللہ ہی گناہوں کی معافی دے سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

> ابنِ آدم کو واقعی دنیا میں گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ (متی 6:9)

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ "مَیں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا 30:10)۔ جب آپ نے یہ کہا تو مذہبی راہنماؤں نے آپ پر کفر بکنے کا الزام لگایا اور آپ کو سنگسار کرنے کی کوشش کی۔ جواب میں آپ

نے فرمایا کہ کوئی بھی وہ کام نہیں کرسکتا جو مَیں کر رہا ہوں اگر خدا اُس کے ساتھ نہ ہو۔ جو کام مَیں کرتا ہوں وہ ثابت کرتے ہیں کہ باپ مجھ میں ہے اور مَیں باپ میں ہوں (یوحنا 38:10)۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ اللہ کی بادشاہی آ چکی ہے۔ اُن دنوں فلسطین روم کے ماتحت تھا۔ یہودی راہنما سمجھتے تھے کہ اللہ کی بادشاہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ روم کی سلطنت سے آزاد ہو جائیں گے۔ یہ سمجھ کر کئی ایک گلیلیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجبور کرنے کی کوشش کی کہ وہ بادشاہ بن جائیں۔ مگر آپ نے اِس قسم کا بادشاہ بننے سے انکار کیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ آپ کے خلاف ہو گئے۔

صلیبی موت اور قیامت

المسیح کی خدمت کے آخری دنوں میں یہ مخالفت بڑھ گئی۔ آخر میں آپ گلیل سے آہستہ آہستہ یروشلم کی طرف بڑھنے لگے۔ راستے میں آپ نے اپنے شاگردوں کو آگاہ کیا کہ مَیں مصلوب ہونے جا رہا ہوں۔ فسح کی عید کے موقعے پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہودی اور رومی دونوں عدالتوں میں

آپ کی پیشی ہوئی۔ گو گواہوں کی باتوں میں اختلاف تھا تو بھی موت کی سزا سنا دی گئی۔ انجیل فرماتی ہے،

> امامِ اعظم نے اُس سے ایک اَور سوال کیا، "کیا تُو الحمید کا فرزند مسیح ہے؟" عیسیٰ نے کہا، "جی، مَیں ہوں۔ اور آئندہ تم ابنِ آدم کو قادرِمطلق کے دہنے ہاتھ بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے ہوئے دیکھو گے۔" امامِ اعظم نے رنجش کا اظہار کر کے اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور کہا، "ہمیں مزید گواہوں کی کیا ضرورت رہی! آپ نے خود سن لیا ہے کہ اِس نے کفر بکا ہے۔ آپ کا کیا فیصلہ ہے؟" (مرقس 14:61-64)

روم کے حاکم نے کوئی ایسا سبب نہ پایا کہ آپ کو مصلوب کیا جائے۔ مگر بھیڑ کے دباؤ کے تحت اُس نے آخرکار مان لیا کہ آپ نے خود کو یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔

صلیب پر چڑھنے سے پہلے المسیح کی پٹائی کی گئی۔ آپ کا مذاق اڑایا گیا۔ آپ کے گال پر طمانچے مارے گئے۔ رومی سپاہیوں نے آپ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ آخرکار آپ کو کیلوں سے صلیب پر لگا دیا گیا۔ آپ کے ساتھ دو مجرموں کو بھی صلیب پر چڑھایا گیا۔ دوپہر تین گھنٹے تک لگاتار پورے ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ جب آپ نے پانی مانگا تو سپاہیوں نے آپ کو سرکہ پیش کیا۔ سرکے کو چکھ کر آپ نے فرمایا کہ "کام مکمل ہو گیا ہے" اور سر جھکا کر جان دے دی (یوحنا 30:19)۔

المسیح کے دوستوں نے لاش کو ایک نئی قبر میں رکھ دیا۔ ایک امیر آدمی بنام ارمتیہ کے یوسف نے یہ قبر اپنے لئے چٹان میں کھدوائی تھی۔ المسیح تیسرے دن کی صبح تک قبر میں رہے۔ پھر آپ مُردوں میں سے جی اٹھے۔ چند عورتیں اتوار کے دن صبح سویرے قبر پر آئیں اور بعد میں کچھ مرد بھی۔ اُنہوں نے قبر کو خالی پایا۔ اِس کے بعد المسیح کئی ایک بار اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوئے۔ سب سے پہلے آپ مریم مگدلینی پر ظاہر ہوئے اور پھر دو شاگردوں پر جب وہ شہر سے باہر سفر کر رہے تھے۔ پھر دیگر شاگردوں پر۔ آپ چالیس دنوں کے اندر کم از کم گیارہ مرتبہ

الگ الگ جگہوں میں فرق فرق لوگوں پر ظاہر ہوئے۔ آپ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھانا کھایا اور اُن سے بات چیت کی۔ اُن میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ ہمارے جی اٹھے ہوئے آقا ہیں۔ پھر آپ اپنے شاگردوں کو لے کر یروشلم سے باہر زیتون کے پہاڑ پر گئے اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے آسمان پر صعود فرمائے۔

المسیح کی زندگی، موت اور قیامت انوکھے اور حیران کن واقعات ہیں۔ آپ کی زندگی کی بہت سے تفصیلات کی پیش گوئی پرانے عہدنامے کے نبیوں سے کی گئی تھی۔ یوحنا رسول فرماتے ہیں کہ

> عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کی موجودگی میں مزید بہت سے ایسے الٰہی نشان دکھائے جو اِس کتاب میں درج نہیں ہیں۔ لیکن جتنے درج ہیں اُن کا مقصد یہ ہے کہ آپ ایمان لائیں کہ عیسیٰ ہی مسیح یعنی اللہ کا فرزند ہے اور آپ کو اِس ایمان کے وسیلے سے اُس کے نام سے زندگی حاصل ہو۔ (یوحنا 20:30-31)

اِس کے بعد رسول فرماتے ہیں کہ

> یہ وہ شاگرد ہے جس نے اِن باتوں کی گواہی دے کر اِنہیں قلم بند کر دیا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اُس کی گواہی سچی ہے۔ (یوحنا 24:21)

المسیح کون ہیں؟

المسیح کے بارے میں ہزاروں کتابیں لکھ دی گئی ہیں؛ اور ہر سال آپ کے بارے میں کئی سو نئی کتابیں اشاعت کی جاتی ہیں۔ سب ناکافی ہیں۔ کوئی نہیں وہ راز پورے طور سے بیان کر سکتا ہے جو المسیح کے کردار میں پایا جاتا ہے۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے۔ المسیح کے جو لقب انجیل میں پائے جاتے ہیں اُن کے ذریعے ہم آپ کا کردار بیان کریں گے۔

ابنِ آدم

المسیح نے تقریباً ہمیشہ ابنِ آدم کے لقب سے اپنا حوالہ پیش کیا۔ یہ اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ ایک پکے انسان ہیں۔ آپ آدمؑ کے سچے بیٹے ہیں۔ آپ پوری طرح سے ہم جیسے ہیں۔

آپ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ دو سال سے بھی کم عمر کے تھے جب مصر میں پناہ لینی پڑی۔ غالباً آپ نے اپنی روزی کے لئے بڑھئی کا پیشہ اختیار کیا۔ ہر انسان کی طرح آپ مصیبتوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہوئے۔ آپ ایک حقیقی انسان ہیں جو ہم انسانوں کو کامل طور سے سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ ابنِ آدم ہیں۔

دکھ سہنے والا خادم

المسیح کی آمد سے کئی صدیوں پہلے اللہ نے یسعیاہ نبی کی معرفت ظاہر کیا کہ آنے والا المسیح دکھ سہنے والا خادم ہو گا۔

> اُسے حقیر اور مردود سمجھا جاتا تھا۔ دُکھ اور بیماریاں اُس کی ساتھی رہیں، اور لوگ یہاں تک اُس کی تحقیر کرتے تھے کہ اُسے دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیتے تھے۔ ہم اُس کی کچھ قدر نہیں کرتے تھے۔ (یسعیاہ 3:53)

المسیح میں اِس نبوت کی تکمیل ہوئی ہے۔ آپ نے خاک سار خادم بن کر انسان کی خدمت کی۔

ایک مرتبہ المسیح نے اپنے شاگردوں کے پیر دھونے سے سچی خدمت کی زندہ مثال پیش کی۔ فلسطین میں رواج یہ تھا کہ جب گھر کا مالک باہر سے گھر لوٹتا تھا تو نوکر مالک کے پیر دھوتا تھا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوکر کی صورت اختیار کی۔ آپ نے اپنے شاگردوں کے پیر دھو کر انگوچھے سے سُکھا دیئے! شاگرد حیران ہوئے مگر آپ نے اُن سے کہا،

> مَیں نے تم کو ایک نمونہ دیا ہے تاکہ تم بھی وہی کرو جو مَیں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ (یوحنا 15:13)

لہٰذا جتنے بھی المسیح کی پیروی کرتے ہیں اُن سب کو ایک دوسرے کے خادم بننے چاہئیں۔ المسیح نے خادم کی حیثیت سے بہت دکھ اٹھایا۔ بے شمار لوگوں کی ضرورتوں کو پوری کرکے آپ فلسطین کا دورہ لگاتے رہتے تھے۔ دکھ سہنے والی خدمت کا عروج صلیب پر ظاہر ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کامل خادم تھے جنہوں نے اپنی زندگی انسان کی خدمت میں صَرف کر دی۔ آپ کی دکھ اٹھانے والی خدمت سے ہم شفا

پا کر بحال ہو جاتے ہیں۔ خادم کی حیثیت سے آپ ہماری تمام ضروریات پوری کرتے ہیں۔

اللہ کا لیلا

جب المسیح بپتسمہ لینے کے لئے حضرت یحییٰ کے پاس آئے تو اُنہوں نے کہا کہ

> دیکھو، یہ اللہ کا لیلا ہے جو دنیا کا گناہ اُٹھا لے جاتا ہے۔
>
> (یوحنا 1:29)

اکثر معاشروں میں لوگ جانوروں کی قربانیاں چڑھاتے ہیں یہ امید رکھتے ہوئے کہ ہمارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ مثلاً توریت شریف فرماتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے بیٹے کے مقام پر ایک مینڈھا قربان کیا گیا۔ اِس طرح کی قربانیاں اِس طرف نشان ہیں کہ انسان کو نجات کے لئے ایک کامل قربانی کی ضرورت ہے۔ عیسائی ایمان رکھتے ہیں کہ یہ قربانیاں المسیح کی قربانی کی طرف اشارہ ہیں جنہوں نے اپنی جان دے دی تاکہ ہم اپنے گناہوں سے نجات پائیں۔ آپ اللہ کا کامل لیلا ہیں۔

آپ کی قربانی اور جی اُٹھنے سے ہمیں بخشا گیا ہے، ہمیں نجات ملی ہے (مکاشفہ 9:5)۔

اللہ کا فرزند

المسیح کا یہ لقب آپ کے شاگردوں سے ایجاد نہ ہوا۔ ایک آسمانی آواز نے دو بار آپ سے مخاطب ہو کر "میرا فرزند" کہا۔ پہلی مرتبہ آپ کے بپتسمے کے دوران آسمان سے آواز آئی کہ

> تُو میرا پیارا فرزند ہے، تجھ سے مَیں خوش ہوں۔ (لوقا 22:3)

خدمت کے عروج پر آپ تین شاگردوں کے ساتھ ایک پہاڑ پر تھے۔ آپ کی شکل و صورت بدل گئی، اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت الیاس ظاہر ہوئے۔ پھر ایک بادل میں سے ایک آواز سنائی دی کہ

> یہ میرا چنا ہوا فرزند ہے، اِس کی سنو۔ (لوقا 35:9)

غرض اللہ خود المسیح سے "میرا فرزند" کے الفاظ سے مخاطب ہوا۔

المسیح کو یہ لقب منظور تھا۔ ایک موقعے پر آپ نے اپنے شاگردوں سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک مَیں کون ہوں؟

> پطرس نے جواب دیا، "آپ زندہ خدا کے فرزند مسیح ہیں۔" عیسیٰ نے کہا، "شمعون بن یونس، تُو مبارک ہے، کیونکہ کسی انسان نے تجھ پر یہ ظاہر نہیں کیا بلکہ میرے آسمانی باپ نے۔" (متی 16:16-17)

یہ لقب المسیح اور خدا باپ کے درمیان محبت کی کامل رفاقت ظاہر کرتا ہے۔ اِس کا ذکر ہو چکا ہے کہ انسان اللہ کی صورت پر بنایا گیا ہے۔ باغِ عدن میں حضرت آدمؑ اور حواؑ اللہ کے فرزند تھے۔ شروع میں اُن کی اللہ کے ساتھ کامل روحانی رفاقت تھی۔ پرانے عہدنامے میں لوگوں کو بار بار دعوت دی گئی کہ وہ عہد کے فرزند بن جائیں۔ کہ وہ اللہ کو اپنا آسمانی باپ قبول کریں۔ المسیح اللہ کے فرزند کی حیثیت سے وہی ایک انسان ہیں جن کی اللہ کے ساتھ کامل رفاقت تھی۔

المسیح کی اللہ کے ساتھ رفاقت کامل تھی۔ آپ خدا کی کامل صورت تھے۔ ساتھ ہی آپ کامل انسان بھی تھے۔ آپ ہی کی اللہ کے ساتھ رفاقت بالکل صاف، کامل، کھلی اور صحیح تھی۔ کیونکہ آپ سچ مچ اللہ کے فرزند تھے۔ آپ کا باپ کے ساتھ رشتہ اِتنا پختہ اور گہرا تھا کہ آپ پوری حلیمی اور سچائی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ

> مَیں اور باپ ایک ہیں۔ (یوحنا 30:10)

اللہ ہمارے ساتھ

یسعیاہ نبی صدیوں پہلے نبوت کر چکے تھے کہ المسیح کا نام "عمانوایل" ہو گا (یسعیاہ 14:7)۔ متی رسول انجیل میں فرماتے ہیں کہ یہ نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں پوری ہوئی۔ کہ کنواری سے پیدا ہوا بچہ عمانوایل ہے۔ عمانوایل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اللہ ہمارے ساتھ" (متی 23:1)۔

نئے عہدنامے کی گواہی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو المسیح میں ظاہر کیا۔ وہ "اللہ ہمارے ساتھ" ہیں۔ پورے نئے عہدنامے میں رسولوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ مسیح میں تھا۔ پولس رسول فرماتے ہیں،

> اللہ کو دیکھا نہیں جا سکتا، لیکن ہم مسیح کو دیکھ سکتے ہیں جو اللہ کی صورت اور کائنات کا پہلوٹھا ہے۔ ... کیونکہ اللہ کو پسند آیا کہ مسیح میں اُس کی پوری معموری سکونت کرے۔ (کلسیوں 19,15:1)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا،

> جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا ہے۔ تو پھر تُو کیونکر کہتا ہے، 'باپ کو ہمیں دکھائیں'؟ (یوحنا 9:14)

المسیح میں اللہ نے اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کیا۔ چونکہ المسیح آئے اِس لئے اللہ ہمارے لئے اجنبی نہیں ہے۔

اللہ کا کلام

المسیح کو اللہ کا کلام بھی کہا گیا ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> ابتدا میں کلام تھا۔ کلام اللہ کے ساتھ تھا اور کلام اللہ تھا۔ یہی ابتدا میں اللہ کے ساتھ تھا۔ سب کچھ کلام کے وسیلے سے پیدا ہوا۔ مخلوقات کی ایک بھی چیز اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ ... کلام انسان بن کر ہمارے درمیان رہائش پذیر ہوا اور ہم نے اُس کے جلال کا مشاہدہ کیا۔ وہ فضل اور سچائی سے معمور تھا اور اُس کا جلال باپ کے اکلوتے فرزند کا سا تھا۔ (یوحنا 1:1-14:3)

اللہ کبھی نہیں سوتا۔ وہ ہمیشہ خود کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اللہ اپنے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب اللہ کلام کرتا ہے تو یہ ایک تخلیقی عمل ہوتا ہے۔ اللہ کے کلام ہی سے کائنات خلق ہوئی۔ المسیح میں اللہ کا ازلی و ابدی اظہار، اُس کا ازلی و ابدی کلام مجسم ہوا۔

جس طرح اللہ ازلی و ابدی ہے اُسی طرح اُس کا کلام بھی ازلی و ابدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ المسیح فرما سکتے تھے کہ

> ابراہیم کی پیدائش سے پیشتر مَیں ہوں۔' (یوحنا 58:8)

چونکہ المسیح خدا کا مجسم ہوا کلام ہیں اِس لئے وہ ازلی و ابدی ہیں۔ آپ مخلوق نہیں ہیں، کیونکہ آپ ازلی و ابدی خدا کا کلام ہیں جو ابتدا میں اللہ کے ساتھ تھے (یوحنا 2:1)۔

المسیح انسانی صورت میں خدا کا زندہ اور ازلی و ابدی کلام ہیں۔ کتابِ مقدّس خدا کا تحریر شدہ کلام ہے، مگر المسیح اللہ کا مجسم ہوا ازلی و ابدی اور زندہ کلام ہیں جو ہمارے دلوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> ہم آپ کو اُس کی منادی کرتے ہیں جو ابتدا سے تھا، جسے ہم نے اپنے کانوں سے سنا، اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس کا مشاہدہ ہم نے کیا اور جسے ہم نے اپنے

> ہاتھوں سے چھوا۔ وہی زندگی کا کلام ہے۔ ... ہم آپ کو وہ کچھ سناتے ہیں جو ہم نے خود دیکھ اور سن لیا ہے۔
>
> (1یوحنا 1:1،3)

کتابِ مقدّس کا مقصد یہ ہے کہ ہم پر زندہ کلام ظاہر ہو جو المسیح ہیں۔ آپ نے فرمایا،

> تم اپنے صحیفوں میں ڈھونڈتے رہتے ہو کیونکہ سمجھتے ہو کہ اُن سے تمہیں ابدی زندگی حاصل ہے۔ لیکن یہی میرے بارے میں گواہی دیتے ہیں! (یوحنا 39:5)

انجیل جلیل میں المسیح کے دیگر کئی ایک لقب بھی ملتے ہیں۔ مثلاً ربّی یا استاد، نبی، بادشاہ، خداوند، نجات دہندہ، منصف اور چھڑانے والا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں فرمایا، "قیامت اور زندگی تو مَیں ہوں،" "راہ اور حق اور زندگی مَیں ہوں۔" کلام ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم المسیح سے ملیں اور اُنہیں قبول کریں۔

مسلمان کا جواب

مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین نبیوں میں سے ایک ہیں۔مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے کنواری مریم سے پیدا ہوئے۔ آپ کو قرآن شریف میں "ابنِ مریم" کہا گیا ہے۔

قرآن شریف تعلیم دیتا ہے کہ المسیح کی آمد ایک خوش خبری تھی (آل عمران 45:3)۔ وہ فرماتا ہے،

> پھر بھیجا ہم نے اُس کے پاس اپنا فرشتہ۔ پھر بن کر آیا اُس کے آگے آدمی پورا۔ بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا۔ بولا مَیں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔ بولی کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے؟ بولا یوں ہی فرما دیا تیرے رب نے، وہ مجھ پر آسان ہے اور اُس کو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کے

> لئے نشانی اور مہربانی اپنی طرف سے اور ہے یہ کام
> مقرر ہو چکا۔ (مریم 19:17-21)

تو بھی مسلمان عیسائیوں کا یہ ایمان نہیں مانتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی تھے یا "اللہ کے بیٹے" تھے۔ مسلم اعتراض کی بنیاد قرآن شریف خود ہے جہاں لکھا ہے،

> اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب
> ٹھہرا لیتا ہے کسی کام کا کرنا سو یہی کہتا ہے اِسے کہ ہو وہ
> ہو جاتا ہے۔ (مریم 19:35)[a]

قرآن شریف فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا خدا اور تمہارا بھی خدا ہے۔ لہٰذا مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیگر پیغمبروں کی طرح انسان تھے، کہ وہ مجسم خدا نہیں تھے۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ "اللہ

[a] مزید دیکھئے قرآن شریف 4:18-5؛ 19:88-93؛ 2:116-117؛ 6:101-102۔

نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اُس کے ساتھ کسی کا حکم چلے" (المؤمنون 91:23)۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں پر آ کر مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کے نزدیک تجسم کا عیسائی نظریہ ناممکن ہے، کیونکہ اللہ قادرِ مطلق ہے۔ ہمارے نزدیک عیسائیوں نے ایک انسان کو اللہ کا درجہ دے دیا ہے۔ اِس لئے تجسم کا انکار کرتے ہوئے اسلام اِس کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ مافوق الفطرت ہے اور کہ انسان زمین پر اللہ کا خادم اور خلیفہ ہے۔

افسوس کہ عیسائی نہیں مانتے کہ حضرت محمّد ﷺ ختمِ نبوت ہیں، کہ آپ کے وسیلے سے آخری ہدایت یعنی قرآن شریف نازل ہوا۔ حالیہ دنوں میں احمد دیدات نے دکھایا ہے کہ توریت شریف حضرت محمّد ﷺ کا ذکر استثنا 18:18 میں کرتی ہے جہاں لکھا ہے، "آئندہ مَیں اُن میں سے تجھ

جیسا نبی کھڑا کروں گا۔ مَیں اپنے الفاظ اُس کے منہ میں ڈال دوں گا، اور وہ میری ہر بات اُن تک پہنچائے گا۔"[a]

عیسائی کی وضاحت

عیسائی متفق ہیں کہ اللہ نے کسی بیٹے کو جنم نہیں دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو خداؤں کی کثرت ہوتی۔

المسیح اللہ کے فرزند ہیں، جس کا مطلب اَور ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور المسیح کے درمیان کامل محبت اور رفاقت کا رشتہ ہے۔

عیسائی ایمان کے مطابق المسیح میں خدا کا ازلی اور ابدی کلام مجسم ہوا ہے۔ اللہ اپنے کلام کو جنم نہیں دیتا! اُس کا کلام ازلی و ابدی ہے اور کامل طور سے اللہ کا اظہار کرتا ہے۔

---

[a]Ahmad Deedat, *What the Bible Says About Muhammad*, (Durban, N.D.), pp 1-28.

اِس کتاب میں مصنف بتاتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ ہر لحاظ سے حضرت موسیٰؑ کی طرح تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰؑ جیسے نہیں تھے۔ حضرت محمّد ﷺ اِس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرق تھے کہ اَن پڑھ تھے۔ اِس لئے کلام آپ کے منہ میں ڈال دیا گیا جس طرح اِس حوالے میں لکھا ہے (مَیں اپنے الفاظ اُس کے منہ میں ڈال دوں گا)۔ حضرت محمد ﷺ اسرائیلیوں کے بھائی ہیں، کیونکہ وہ ابراہیم کے بیٹے حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے۔

لازم ہے کہ ہم یہ دونوں خیال ایک دوسرے سے جدا نہ کریں یعنی یہ کہ المسیح کلام اور فرزند دونوں ہی ہیں۔ وہ عمانوایل یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہیں۔

تمام انسان اللہ کی نجات دیکھیں گے۔ (لوقا 3:6)

نجات

عیسائی کا عقیدہ

نیکدیمس یہودیوں کا ایک عزت دار راہنما تھا۔ ایک رات وہ چپکے سے المسیح کے پاس آیا کہ نجات کے بارے میں سیکھے۔ گفتگو کے دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا،

> "مَیں تجھے سچ بتاتا ہوں، صرف وہ شخص اللہ کی بادشاہی کو دیکھ سکتا ہے جو نئے سرے سے پیدا ہوا ہو۔"

نیکدیمس نے اعتراض کیا، "کیا مطلب؟ بوڑھا آدمی کس طرح نئے سرے سے پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ میں جا کر پیدا ہو سکتا ہے؟"

عیسیٰ نے جواب دیا، "مَیں تجھے سچ بتاتا ہوں، صرف وہ شخص اللہ کی بادشاہی میں داخل ہو سکتا ہے جو پانی اور روح سے پیدا ہوا ہو۔ جو کچھ جسم سے پیدا ہوتا ہے وہ جسمانی ہے، لیکن جو روح سے پیدا ہوتا ہے وہ روحانی ہے۔ ...

نیکدیمس نے پوچھا، "یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

عیسیٰ نے جواب دیا،... اللہ نے دنیا سے اِتنی محبت رکھی کہ اُس نے اپنے اکلوتے فرزند کو بخش دیا، تاکہ جو بھی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ابدی زندگی پائے۔ (یوحنا 3:1-16؛ پوری گفتگو یوحنا 3:1-21 میں درج ہے۔)

یہ گفتگو ہم پر ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے آسمانی باپ نے اپنے فرزند کو دنیا میں بھیجا تاکہ انسان کو نجات دے۔ جو اُس کے فرزند المسیح کو قبول

کرتے ہیں وہ نئی زندگی پاتے ہیں۔ یہ نجات اللہ کے روح کا معجزہ ہے۔ باپ، فرزند اور روح نجات کے اِس محبت بھرے کام میں مل جل کر کارفرما ہیں۔ جب ہم تثلیث کی یہ محبت قبول کرتے ہیں تو ہمیں نجات ملتی ہے۔

کیا یہ بات سمجھنا مشکل ہے؟ فکر نہ کریں۔ نیکدیمس بھی اُلجھن میں پڑ گیا۔ آیئے ہم تفصیل سے چھٹکارے کے اُس کام پر غور کریں جو باپ، فرزند اور روح کے وسیلے سے کیا جاتا ہے۔ نجات پانے کے لئے لازم ہے کہ ہم خدا باپ، فرزند، اور روح کے بچانے والے کام کو قبول کریں۔

ہمارے آسمانی باپ نے ہم انسانوں کو اپنی صورت پر بنایا۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہم سچ مچ انسان ہوتے ہیں جب ہم اللہ کے ساتھ خوش کن رفاقت رکھیں۔ ہم سب آدمؑ اور حواؑ سمیت آسمانی باپ سے پھر گئے ہیں۔ مگر اُس نے ہم کو کبھی نہیں چھوڑا۔ شروع سے لے کر آج تک وہ لوگوں کو دعوت دیتا آیا ہے کہ عہد کے فرزند بن جاؤ، توبہ کر کے نجات حاصل کرو۔

افسوس، ہماری گناہ آلودہ فطرت ہمیں اللہ سے کامل رفاقت رکھنے سے روک دیتی ہے۔ اِس فطرت کے باعث ہم راست باز زندگی نہیں گزار سکتے۔ یسعیاہ نبی فرماتا ہے،

> ہم سب ناپاک ہو گئے ہیں، ہمارے تمام نام نہاد راست کام گندے چیتھڑوں کی مانند ہیں۔ (یسعیاہ 6:64)

ہماری گناہ آلودہ فطرت ہم کو اللہ سے جدا رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ بھی روبرو ہو کر اللہ سے ملاقات نہ کر سکے (خروج 33:18-23)۔ اللہ کے حضور ہم شرمندہ اور دہشت زدہ رہتے ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم مجرم اور سزا کے لائق ہیں۔ ہم جھوٹے اور منافق پسند ہیں۔ اکثر انسان اپنی خطاکاری کو ڈھانکنے کے لئے جانوروں کی قربانیاں چڑھاتے آئے ہیں۔ اِس کے باوجود ہمارا اللہ سے ٹوٹا ہوا اور ناقص رشتہ ہمیشہ قائم رہا ہے۔

ہم جانتے ہیں ہمارے گناہ نے ہم کو اللہ سے جدا کر دیا ہے۔ گو اللہ لوگوں کو اپنے عہد میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے تو بھی انسان

اِس عہد کے قواعد پر چلنے سے ناکام رہا ہے۔ گو ہمیں توبہ کا حکم ملا ہے مگر ہم شاذ و نادر ہی خدا کی سنتے یا اُس کی بلاہٹ منظور کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ اپنے عزیز فرزند المسیح میں ہو کر تاریخ میں داخل ہوا۔ نجات کے لحاظ سے المسیح کی زندگی اور کام کے تین پہلو ہیں۔

- المسیح کی زندگی اللہ کی بادشاہی کا اظہار ہے۔ آپ ہی کے ذریعے اللہ کی بادشاہی تاریخ میں داخل ہوئی۔ آپ نئی پیدائش اور نئے آدم تھے؛ آسمان سے بھیجے گئے آدم یعنی وہ آدم جو ہمیں خود ہونا چاہیئے تھا (1 کرنتھیوں 15:45-50)۔ اللہ نے آدم کو حکم دیا تھا کہ زمین پر حکومت کرے۔ مگر آدم اور تمام انسان کی زمین پر حکومت ناکامل تھی۔ اِس کے برعکس المسیح ایسے نہیں ہیں۔ المسیح جو آسمان کے نئے آدم ہیں قدرت پر پورا اختیار رکھتے ہیں۔ آپ پانی پر چلے۔ آپ نے تیز آندھی کو تھمایا۔ آپ نے بیماروں کو شفا دی۔ آپ نے تھوڑی خوراک سے ہزاروں کو کھلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام زمین پر پورا اختیار تھا۔

ہم سب کو پتا ہے کہ ہم کو بے گناہ زندگی جینی ہے۔ افسوس، ایسا نہیں ہے۔ ہم کو انصاف قائم رکھنا چاہئے مگر اکثر ہم کمزوروں کا حق مارتے ہیں۔ مگر آپ کامل طور پر راست باز تھے۔ آپ نے انصاف کی زندگی بسر کی۔ آپ سے کبھی بھی گناہ سرزد نہ ہوا۔ المسیح وہ آدم ہیں جو ہمیں ہونا چاہئے۔ آپ قدرت کے مالک ہیں۔ آپ گناہ سے مبرّا اور انصاف پسند ہیں۔ آپ ہی اللہ کی بادشاہی ہیں۔ آپ تمام انسان پر اللہ کی پُر فضل مرضی کا اظہار ہیں۔ المسیح ہر ایک کے ساتھ کامل اختیار، انصاف اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ آپ انسان کی اصل اور حقیقی شکل و صورت ہیں۔ آپ میں اللہ کی بادشاہی پوری ہوئی۔ آپ ہی میں ہم نجات پاتے ہیں (عبرانیوں 2:6-9)۔

- المسیح کی صلیبی موت میں اللہ کی محبت اور بادشاہی کا باطنی راز ظاہر ہوا۔ اللہ محبت ہے، اِس لئے وہ کبھی بھی اپنی مرضی انسان پر نہیں جتائے گا۔ اُس نے ہمیں مجبور نہ کیا بلکہ ہماری تمام دشمنی، ظلم اور نفرت کو اپنے اوپر لے لیا ہے۔

المسیح کی صلیب پر ہر قسم کے انسان کے نمائندے حاضر تھے: مذہبی راہنما، سیاست دان، فسادی ہجوم، عوام؛ تعلیم یافتہ، امیر اور پیشہ ور لوگ؛ غریب اور معاشرے سے ٹھکرائے ہوئے لوگ؛ مرد و خواتین؛ غلام اور آزاد؛ یورپ، ایشیا، افریقہ اور باقی دنیا کے لوگ۔ سب کے سب المسیح کی صلیبی موت کے ذمے دار تھے۔ جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو اُنہوں نے آپ کا مذاق اڑایا، مگر المسیح کے دل میں کوئی تلخی یا نفرت نہیں تھی بلکہ آپ نے چلا کر کہا،

> اے باپ، اِنہیں معاف کر، کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ (لوقا 34:23)

اِس پکار میں ہمارے گناہوں سے خدا کی گھن بھی نظر آتی ہے اور اُس کی محبت اور بخشش بھی۔ ہم کیوں اللہ سے بغاوت کریں جب وہ ہمیں اُس وقت بھی معاف کرتا ہے جب ہم المسیح کو مصلوب کر رہے ہیں؟ یعنی اُنہیں جو مکمل طور پر راست باز اور اللہ کے فرزند

ہیں؟ صلیب نے مؤثر طور سے اللہ کی بخشش اور اُس کی محبت کا اظہار کیا۔

جب المسیح نے صلیب پر اپنی جان دی تو یروشلم کے مقدِس کا پردہ معجزانہ طور سے اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا (لوقا 23:44-45)۔ مقدِس کا یہ پردہ پاک مقام اور پاک ترین مقام کو الگ کرتا تھا۔ اُس پاک ترین مقام میں خدا کا جلال سکونت کرتا تھا۔ اِس لئے صرف سردار امام کو اجازت تھی کہ وہ سال میں ایک بار اُس پاک ترین مقام میں داخل ہو جائے۔ جب المسیح مصلوب ہوئے تو جو پردہ خدا کے جلال کو انسان کی نظروں سے چھپائے رکھتا تھا وہ پھٹ گیا۔ یہ اِس طرف اشارہ تھا کہ اب سے اللہ اور انسان کے درمیان تمام رکاوٹیں دُور ہوگئی ہیں۔ المسیح کی موت نے اِن رکاوٹوں کو دُور کر دیا ہے۔ اِس سبب سے ہم معاف کر دیئے گئے ہیں۔ ہم قبول کر لئے گئے ہیں۔ اب ہم پورے اعتماد سے باپ کہہ کر خدا سے مخاطب ہو سکتے ہیں۔ جو روک ہمارے گناہوں نے ہمارے اور اللہ کے درمیان لگا دی تھی وہ ہمیشہ کے لئے ہٹا دی گئی ہے۔

المسیح نے اپنی زندگی صلیب پر دینے سے ہمارے گناہوں کے لئے مکمل قربانی پیش کی (عبرانیوں 8–10)۔ بہت سے لوگ اِس امید سے نذرانے پیش کرتے ہیں کہ وہ اُن کے گناہوں کو ڈھانپ دیں گے اور اُنہیں بُرائی سے بچائیں گے۔ پرانے عہدنامے کے لوگوں کو کئی طرح کی قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ابراہیم نے ایک مینڈھے کی قربانی ادا کی تاکہ آپ کا بیٹا بچ جائے۔ یہ سب کچھ اُس کامل قربانی کی طرف اشارہ تھا جو المسیح نے دی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم سزا کے لائق ہیں کیونکہ ہم گناہ گار ہیں۔ المسیح نے ہمارے گناہوں کی سزا کو برداشت کیا۔ مسیح میں اللہ نے خود دکھ، شرمندگی اور ہماری گناہ گاری کی سزا کو قبول کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ گناہ کی مزدوری موت ہے (رومیوں 23:6)۔ المسیح نے ہمارے لئے موت سہی تاکہ ہم زندگی پائیں۔ یوں لکھا ہے،

> لیکن اُسے ہمارے ہی جرائم کے سبب سے چھیدا گیا، ہمارے ہی گناہوں کی خاطر کچلا گیا۔ اُسے سزا

> ملی تاکہ ہمیں سلامتی حاصل ہو، اور اُسی کے زخموں سے ہمیں شفا ملی۔ (یسعیاہ 5:53)

- ہم المسیح کی قیامت سے نجات پاتے ہیں۔ جب ہم اللہ سے جدا ہو جاتے ہیں تو موت سے واسطہ پڑتا ہے۔ ابلیس موت کی تمام طاقتوں کا شہزادہ ہے۔ وہ اور اُس کے تمام شریر فرشتے اور روحیں موت کے پہلوان ہیں۔ جب المسیح مصلوب ہوئے تو ابلیس بہت خوش ہوا۔ موت اُس کا بیوپار ہے۔ لیکن اللہ نے المسیح کو مُردوں میں سے زندہ کر دیا۔ المسیح کی قیامت موت کی شکست تھی۔ شیطان کی طاقت توڑ دی گئی تھی۔ موت فتح نہیں پائے گی بلکہ قیامت اور زندگی۔

المسیح نے موت پر فتح پائی، اور خدا کی خواہش ہے کہ ہم سب اُس کی اِس فتح میں شامل ہو کر ابدی زندگی پائیں۔جس طرح المسیح موت سے جی اُٹھے اُسی طرح ہم بھی جو ایمان رکھتے ہیں جی اُٹھیں گے۔ گو ہمارے جسم مر جائیں مگر قیامت کے دن ہم سب ایک نئے اور

جلالی جسم پا کر جی اُٹھیں گے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح المسیح مردوں میں سے جی اُٹھے (1 کرنتھیوں 15)۔

جس طرح المسیح کی قیامت نے ابلیس اور اُس کی طاقتوں پر فتح پائی اُسی طرح ہم بھی موت کی تمام شیطانی طاقتوں پر فتح پاتے ہیں جب ہم اپنی زندگیوں کو المسیح کے تحت کرتے ہیں۔ اللہ نے تمام طاقتوں کو المسیح کے تحت کر دیا ہے۔ جو المسیح پر ایمان رکھے اُسے خوف اور تمام شیطانی طاقتوں سے آزادی حاصل ہوتی ہے (افسیوں 1:15-23)۔

اللہ نے مقرر کیا کہ جی اٹھے ہوئے المسیح خدا اور لوگوں کے بیچ شفاعت کریں۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> اِسی طرح مسیح نے بھی اپنی مرضی سے امامِ اعظم کا پُروقار عُہدہ نہیں اپنایا۔ اِس کے بجائے اللہ نے اُس سے کہا، "تُو میرا فرزند ہے، آج مَیں تیرا باپ بن گیا ہوں۔" (عبرانیوں 5:5)

آپ اُن ہی دکھوں، آزمائشوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوئے جن سے ہم بھی دوچار ہوتے ہیں اگرچہ آپ بے گناہ رہے (عبرانیوں 18:2)۔ چونکہ المسیح اللہ اور انسان کے درمیان کامل درمیانی ہیں اِس لئے عیسائی اپنے آسمانی باپ سے المسیح کے نام سے دعا کرتے ہیں۔ المسیح نے خود ہی وعدہ کیا کہ

> جو کچھ تم میرے نام میں باپ سے مانگو گے وہ تم کو دے گا۔ (یوحنا 23:16)

اللہ کا روح بھی ہماری نجات میں کارفرما ہے۔ المسیح نے نیکدیمس سے کہا کہ تم کو پانی اور روح سے پیدا ہونا ہے۔ نجات میں پاک روح کا کیا کردار ہے؟ پاک روح ہی پرانے عہدنامے میں نبیوں پر اللہ کا کلام ظاہر کرتا تھا۔ اور وہی پاک روح آج بھی ہم پر سچائی کا انکشاف کرتا ہے۔ جو کچھ ہم نے اللہ اور المسیح کے کاموں کے بارے میں کہا ہے وہ سب بے معنی ہے جب تک کہ ہمارے دل اللہ کے روح کی آواز کے لئے کھلے نہ ہوں۔ پاک روح ہماری سچائی تک راہنمائی کرتا ہے۔ پاک روح

کے وسیلے سے جی اٹھے المسیح کی زندگی اور فتح ہماری زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ جب ہم توبہ کرکے ایمان لاتے ہیں تو پاک روح ہمارے اندر اللہ کی صورت کو بحال کر دیتا ہے۔

اللہ نے یرمیاہ نبی کے ذریعے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر ایمان دار کو نیا دل عطا کرتے ہوئے انسان کے ساتھ ایک نیا عہد باندھے گا۔ یہ تخلیق کا نیا کام ہے۔ اللہ کا روح یہ معجزہ ایمان دار کی زندگی میں انجام دیتا ہے۔ نئے عہدنامے میں لکھا ہے،

> رب فرماتا ہے کہ جو نیا عہد مَیں اُن دنوں کے بعد اُن سے باندھوں گا اُس کے تحت مَیں اپنی شریعت اُن کے دلوں میں ڈال کر اُن کے ذہنوں پر کندہ کروں گا۔ ... اُس وقت سے مَیں اُن کے گناہوں اور بُرائیوں کو یاد نہیں کروں گا۔ (عبرانیوں 10:16-17)

المسیح نے اِس نئے عہد اور تخلیق کے کام کو نئی پیدائش کہا۔ جب ہم اللہ کی وہ محبت قبول کرتے ہیں جو المسیح میں ظاہر ہوئی تو اللہ کا روح ہمیں نئے سرے سے خلق کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ہم اللہ کی بادشاہی

میں رہنے لگتے ہیں۔جس نئی پیدائش کا کامل نمونہ المسیح نے پیش کیا اُس کا ہم بھی تجربہ کرنے لگتے ہیں۔ ہم روز بہ روز المسیح کی صورت پر نئے بنتے جاتے ہیں۔ ہم آزادی سے ہر ایک سے محبت رکھنے کے قابل بن جاتے ہیں۔

جب ہم اللہ کی محبت اور بخشش کو حاصل کرتے ہیں تو ہم وہ نجات پاتے ہیں جو المسیح میں ظاہر ہوئی اور جو اب بھی اللہ کے روح کے وسیلے سے موجود ہے۔ المسیح کی زندگی، موت اور قیامت میں اللہ کی محبت مکمل طور پر ظاہر ہوئی۔ ہمیں اُس کی اِس محبت کا تجربہ پاک روح کے وسیلے سے ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنے فرزند کو اِس لئے دنیا میں بھیجا کہ وہ دنیا کو نجات دے (یوحنا 17:3)۔ اِسی طرح اللہ نے

> اپنے فرزند کے روح کو ہمارے دلوں میں بھیج دیا، وہ روح جو "ابّا" یعنی "اے باپ" کہہ کر پکارتا رہتا ہے۔ (گلتیوں 6:4)

باپ، فرزند اور روح کا یہ واحد خدا اپنی کامل محبت اور وحدانیت سے ہمیں نجات دیتا ہے۔

عبرانی زبان میں عیسیٰ نام کا مطلب "یَہوِہ بچاتا ہے" ہے۔ اِس نجات میں کیا کیا شامل ہے؟

- اللہ کے ساتھ صحیح اور پُرمسرت رفاقت؛ اللہ کے ساتھ میل ملاپ۔
- اپنے ساتھی انسان کے ساتھ میل ملاپ۔
- گناہوں کی معافی۔
- خدا کی جس صورت پر ہمیں بنایا گیا ہے اُس کی بحالی، یعنی نئی تخلیق اور نئی پیدائش۔
- شخصی بحالی اور برکت۔
- اللہ کی محبت کا تجربہ اور اللہ کو اپنا باپ کہنے کا استحقاق۔
- موت پر فتح، ابدی زندگی اور موت کے بعد جی اٹھنے کا یقین۔
- گناہ اور تمام تاریک طاقتوں پر فتح۔
- اب سے ابد تک اللہ کی بادشاہی میں شرکت۔

ہم مزید بہت کچھ کہہ سکتے تھے۔ مختصراً نجات اللہ کی محبت کا تجربہ ہے۔ ہم ایمان لا کر اپنے آپ کو المسیح کے تابع کرنے سے نجات پاتے ہیں؛ کیونکہ المسیح کے وسیلے سے ہی اللہ نے ظاہر کیا کہ وہ ہم سے اِتنی

محبت رکھتا ہے کہ اُس نے فدیہ دے کر ہماری خاطر نجات کا راستہ قائم کیا۔

المسیح کے آسمان پر صعود فرمانے کے بعد دو عیسائی راہنماؤں بنام پولس اور سیلاس کو قید خانے میں ڈالا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے یونان کے شہر فلپی میں ایک لونڈی میں سے بدروح نکالی تھی۔ اُسی رات ایک زلزلہ آیا۔ قید خانے کی نیو ہل گئی اور اُس کے دروازے کھل گئے۔ داروغہ خودکشی کرنے کو تھا، کیونکہ اُس نے سوچا کہ قیدی بھاگ گئے ہوں گے۔ مگر پولس اور سیلاس نے اُسے روک کر کہا کہ ہم سب یہیں ہیں۔ اِس سے متاثر ہو کر اُس نے پولس اور سیلاس سے پوچھا،

> "صاحبو، مجھے نجات پانے کے لئے کیا کرنا ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا، "خداوند عیسیٰ پر ایمان لائیں تو آپ اور آپ کے گھرانے کو نجات ملے گی۔"
>
> (اعمال 16:30-31)

عیسائی ایمان یہ ہے کہ جو المسیح پر ایمان لائے ہیں وہ نجات پا کر نئے عہد کی اُمت میں شامل ہو جاتے ہیں۔

مسلمان کا جواب

عیسائی ایمان کے مطابق نجات کا مرکز المسیح کی صلیبی موت ہے۔ یہ خیال مسلم سوچ سے بہت دُور ہے۔

اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ کو کہا گیا کہ انبیا کے نقشِ قدم چل کر شریعت کی تصدیق کریں۔ آپ کو انجیل شریف عطا کی گئی جس میں ہدایت اور نور پایا جاتا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور کرے گا اُس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف۔ بے شک مَیں آیا ہوں تمہارے پاس نشانیاں لے کر تمہارے رب کی طرف سے ... اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے۔ (آل عمران 3:49-50)

المسیح نے دیگر انبیا کی طرح معجزے کئے۔ اُنہوں نے کوڑھیوں کو شفا اور اندھوں کو بینائی بخشی، بیماروں کو ٹھیک کیا اور مُردوں کو جِلایا۔ آپ نے یہ تمام معجزے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے انجام دیئے۔ اِن تمام

معجزوں کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے مشن کی تصدیق کی جائے۔ حضرت عیسیٰ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ کے خادم اور پیغمبر تھے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے،

> کوئی نہیں آسمان اور زمین میں جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔ (مریم 93:19)

عیسائی مانتے ہیں کہ انسان کو حضرت عیسیٰ ﷺ کی صلیبی موت سے معافی ملتی ہے۔ یہ مسلم ایمان سے میل نہیں کھاتا۔ المسیح کا خاتمہ ایک راز ہے، اور اکثر مسلمان سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف سے بڑھ کر کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ اِس کے بارے میں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور اُن کے اِس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا۔ اور اُنہوں نے نہ اُس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا۔ لیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے اور جو لوگ اِس میں مختلف باتیں کرتے ہیں

> تو وہ لوگ اِس جگہ شُبہے میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ نہیں اُن کو اِس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اُس کو قتل نہیں کیا بے شک۔ (النسا 4:157-158)

مسلمان کے نزدیک یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیبی موت دی جائے۔ اللہ جو منصف ہے اجازت نہ دیتا کہ المسیح اِس طرح کا دکھ اٹھائیں۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے المسیح کو یوں صلیبی موت کی ذلت سے بچایا جس طرح اُس نے بعد میں ختمِ نبوت کو ہجرت کے وقت بچایا۔

نیز، مسلمان متفق نہیں ہیں کہ انسان کو فدیہ کے چھٹکارے کی ضرورت ہے۔ یہ سوچ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عوضی قربانی سے چھٹکارا ہے مسلم نظریے سے میل نہیں کھاتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان بنیادی طور پر اچھا ہی ہے، کہ اللہ اُن سے محبت رکھتا ہے جو اُس کی مرضی پر چلتے ہیں اور اُن کے گناہ بخشتا ہے۔

اسلام سلامتی کی راہ ہے۔ مسلم تعلیم یہ ہے کہ انسان اُس وقت سلامتی پاتا ہے جب وہ اللہ کے تابع رہتا ہے۔ دیگر نبیوں کی طرح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ دونوں اللہ کے فضل کے نمونے ہیں۔

عیسائی کی وضاحت

ہو سکتا ہے کہ صلیبی موت کے بارے میں مسلم اور عیسائی سوچ اِتنا فرق نہ ہو جتنا سرسری طور سے لگتا ہے۔ بہر حال انجیل اِس بات پر زور دیتی ہے کہ المسیح نے اپنی جان دی۔ آپ نے فرمایا،

> کوئی میری جان مجھ سے چھین نہیں سکتا بلکہ مَیں اُسے اپنی مرضی سے دے دیتا ہوں۔ مجھے اُسے دینے کا اختیار ہے اور اُسے واپس لینے کا بھی۔ یہ حکم مجھے اپنے باپ کی طرف سے ملا ہے۔ (یوحنا 10:17-18)

المسیح کی صلیبی موت اپنے آپ کو قربان کرنے کی عظیم ترین مثال ہے۔ المسیح نے خود اپنی جان دی۔ کسی بھی کے پاس اِسے چھیننے کا اختیار نہیں تھا۔ کیونکہ کوئی بھی خدا کے کلام کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ گو آپ نے اپنے آپ کو بدکاروں کے سپرد کر دیا تو بھی وہ اُنہیں تباہ نہ

کر سکے۔ آپ قبر میں سے جی اٹھے۔ عیسائی متفق ہیں کہ موت نے المسیح پر فتح نہ پائی بلکہ مسیح نے موت پر فتح پائی۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ اللہ کے گھرانے میں ہمارا برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔
(1 تیمُتھیُس 15:3)

اُمت

عیسائی برادری

جی اٹھنے کے چالیس دن بعد المسیح آسمان پر صعود فرمائے۔ آسمان پر صعود فرمانے سے پہلے آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ جب تک روح القدس تم پر نازل نہ ہو تب تک یروشلم میں ٹھہرے رہو (اعمال 1:4-5)۔ اِس پر شاگرد اُسی بالاخانے میں ٹھہرے رہے جہاں آپ اپنے شاگردوں کے ساتھ عشائے ربانی میں شریک ہوئے تھے۔ وہاں اُنہوں نے پاک روح کے نازل ہونے کا انتظار کیا۔ دیگر ایمان دار بھی حاضر تھے۔ کُل مل ملا کر 120 لوگ جمع تھے (اعمال 1)۔

یہ لوگ 10 دن تک انتظار کرتے رہے۔ عیدِ پنتکست جب فصل کی پیداوار کی خوشی منائی جاتی تھی اللہ نے شاگردوں پر روح القدس نازل فرمایا۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> اچانک آسمان سے ایسی آواز آئی جیسے شدید آندھی چل رہی ہو۔ پورا مکان جس میں وہ بیٹھے تھے اِس آواز سے گونج اُٹھا۔ اور اُنہیں شعلے کی لَوئیں جیسی نظر آئیں جو الگ الگ ہو کر اُن میں سے ہر ایک پر اُتر کر ٹھہر گئیں۔ سب روح القدس سے بھر گئے اور مختلف غیرملکی زبانوں میں بولنے لگے، ہر ایک اُس زبان میں جو بولنے کی روح القدس نے اُسے توفیق دی۔ (اعمال 2:2-4)

اِس واقعے کا شور بہت دُور تک سنائی دیا۔ لوگ شہر کے مختلف کونوں سے دوڑے ہوئے آئے تاکہ شور کی وجہ پتہ کریں۔ شاگردوں کی باتیں سن کر سب ہکا بکا رہ گئے۔ اُنہوں نے کہا،

کیا یہ سب گلیل کے رہنے والے نہیں ہیں؟ تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اُنہیں اپنی مادری زبان میں باتیں کرتے سن رہا ہے جبکہ ہمارے ممالک یہ ہیں: پارتھیا، مادیا، عیلام، مسوپتامیہ، یہودیہ، کپدکیہ، پنطس، آسیہ، فروگیہ، پمفیلیہ، مصر اور لیبیا کا وہ علاقہ جو کرین کے ارد گرد ہے۔ روم سے بھی لوگ موجود ہیں۔ یہاں یہودی بھی ہیں اور غیر یہودی نومرید بھی، کریتے کے لوگ اور عرب کے باشندے بھی۔ اور اب ہم سب کے سب اِن کو اپنی اپنی زبان میں اللہ کے عظیم کاموں کا ذکر کرتے سن رہے ہیں۔

(اعمال 2:8-11)

پطرس رسول کھڑے ہو کر انجیل کی منادی کرنے لگا۔ یہ سن کر لوگ پوچھنے لگے کہ "بھائیو، ہم کیا کریں؟"

پطرس رسول نے جواب دیا،

> آپ میں سے ہر ایک توبہ کر کے عیسیٰ کے نام پر بپتسمہ لے تاکہ آپ کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ پھر آپ کو روح القدس کی نعمت مل جائے گی۔ (اعمال 38:2)

جواب میں اُسی دن قریباً 3000 لوگوں نے بپتسمہ لیا۔ یوں اُمت کا آغاز ہوا۔ آج لاکھوں کروڑوں عیسائی دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اُمت کیسی ہے جو کروڑوں نئے ایمان داروں کو ہر سال اپنی رفاقت میں کھینچ لے آتی ہے؟ اُمت کون ہیں؟

جو ایمان رکھتے ہیں وہ اُمت ہیں

المسیح نے اپنی خدمت کے دوران بارہ شاگردوں کو بلایا کہ آپ کے پیچھے ہو لیں۔ اِن میں سے کچھ ماہی گیر تھے، ایک محصول لینے والا تھا، اور ایک یہودی جہادی رہا تھا (لوقا 4:13-14)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شاگردوں کے ذریعے ایک نئی برادری قائم کی جن کا آقا المسیح تھے۔

ایک بار المسیح نے شاگردوں سے پوچھا کہ "تمہارے نزدیک مَیں کون ہوں؟" پطرس رسول نے جواب دیا،

آپ زندہ خدا کے فرزند مسیح ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا،

شمعون بن یونس، تُو مبارک ہے، کیونکہ کسی انسان نے تجھ پر یہ ظاہر نہیں کیا بلکہ میرے آسمانی باپ نے۔ مَیں تجھے یہ بھی بتاتا ہوں کہ تُو پطرس یعنی پتھر ہے، اور اِسی پتھر پر مَیں اپنی جماعت کو تعمیر کروں گا، ایسی جماعت جس پر پاتال کے دروازے بھی غالب نہیں آئیں گے۔ (متی 16:16-18)

تمام شاگردوں کا یہی خیال تھا۔ اُمت وہ لوگ ہیں جنہوں نے المسیح پر ایمان لا کر اُن کو اپنا خداوند اور نجات دہندہ قبول کیا ہے۔ یہی ہے وہ پتھر جس پر اُمت تعمیر کی گئی ہے۔

گو شاگرد المسیح پر ایمان لے آئے تھے تو بھی اُن کا ایمان کمزور تھا۔ اِس لئے المسیح کی صلیبی موت پر وہ زیادہ تر بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ پطرس رسول نے فرمایا کہ مَیں المسیح کو نہیں جانتا۔ مگر جس دن روح

القدس اُن پر نازل ہوا اُس دن وہ دلیری سے انجیل کی منادی کرنے لگے۔ جب وہ اللہ کے پاک روح سے بھر گئے تب ہی اُن کو تبلیغ کرنے کی قوت حاصل ہوئی۔ تب ہی وہ ایسی اُمت بن گئے جس پر پاتال کے دروازے بھی غالب نہیں آئیں گے۔

اُمت وہ لوگ ہیں جو المسیح پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اُمت کوئی عمارت نہیں ہے۔ دراصل ابتدائی ایمان دار عبادت کے لئے کسی مخصوص عمارت میں جمع نہیں ہوتے تھے بلکہ ایمان داروں کے گھروں میں۔ آج بھی کافی ایمان دار گھروں میں یا پیڑوں کے چھاؤں میں جمع ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ المسیح پر ایمان لائے ہیں وہی اُمت ہیں۔ ایمان دار باقاعدگی سے المسیح کے نام میں جمع ہوتے ہیں۔ جو ایمان دار ایک دوسرے سے رفاقت رکھتے ہیں وہ اُمت کہلاتے ہیں۔

المسیح نے فرمایا،

> جہاں بھی دو یا تین افراد میرے نام میں جمع ہو جائیں وہاں مَیں اُن کے درمیان ہوں گا۔ (متی 20:18)

جی اُٹھے ہوئے المسیح روح القدس کی موجودگی کے وسیلے سے ایمان داروں کے بیچ حاضر رہتے ہیں۔ جب کبھی ایمان دار المسیح کے نام میں جمع ہوتے ہیں تو وہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ اُن کے بیچ موجود ہیں۔ وہ آپ کے نام میں دعا کرتے ہیں۔ اُن کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کرتے ہیں اور اِس کا تجربہ کرتے ہیں کہ وہ سچ مچ بخشے گئے ہیں۔ وہ ہدایت مانگ کر محسوس کرتے ہیں کہ خداوند اُنہیں حکمت عطا کرتے ہیں۔ وہ طاقت مانگ کر تر و تازگی، تقویت، امن و سلامتی، فضل اور محبت پاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ المسیح سچ مچ اُن کے درمیان موجود ہیں جب وہ اُن کے نام میں جمع ہوتے ہیں۔

عبادت کے بعد ایمان دار ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں جُٹ جاتے ہیں، چاہے وہ مزدور، کسان، سکول ٹیچر، دکان دار، ڈاکٹر یا نرس ہوں۔ کچھ دنوں بعد وہ پھر سے المسیح کے نام میں جمع ہوتے ہیں۔ وہ پھر سے محسوس کرتے ہیں کہ المسیح ہمارے درمیان موجود ہیں۔ یہ جمع ہونے والی اور بچھڑنے والی برادری ہی اُمت کہلاتی ہے۔

اُمت کی راہنمائی

اُمت کا انتظام اور راہنما ہوتے ہیں۔ المسیح اور آپ کے شاگردوں نے اُمت کو راہنمائی کا نمونہ پیش کیا۔صعود کے بعد خدا نے آپ کے نزدیکی شاگردوں کو رسول مقرر کیا۔ وہ اُمت کے پہلے راہنما تھے۔ جلد ہی رسولوں کو انتظامی مدد کی ضرورت محسوس ہوئی، خاص کر بیواؤں کی مدد کرنے میں۔ روح القدس کی راہنمائی سے سات مددگاروں کو چن لیا گیا (اعمال 6:1-6)۔

جب اُمت بڑھنے لگی تو مقامی راہنماؤں کی ضرورت بھی بڑھنے لگی۔ یہ مقامی راہنما کس طرح مقرر ہوئے؟ مقامی لوگوں نے روزہ رکھ کر دعا کی اور پھر روح القدس کی راہنمائی میں اُنہیں چن لیا۔ اُن کے سروں پر ہاتھ رکھ کر اُنہوں نے اُنہیں مخصوص کیا۔ یہ رہنما بزرگ کہلاتے تھے (اعمال 14:23)۔

جتنے رسولوں کی عمر اور اُمت کی تعداد بڑھتی گئی اُتنا ہی دوسرے راہنماؤں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تب بشپ مخصوص کئے گئے۔ یہ بشپ رسولوں کی جگہ راہنمائی کرنے لگے (2 تیمتھیُس 1:6-7)۔ یوں شروع

سے ہی اُمت میں تین عہدے قائم ہوئے: بشپ، مددگار (ڈیکن) اور مقامی جماعت کے بزرگ۔ ہر ایک کو دعا کے ساتھ اور ہاتھ رکھ کر مخصوص کیا جاتا تھا۔

آج اکثر جماعتیں اِسی نمونے پر چلتی ہیں، گو تھوڑا بہت فرق ہر جماعت میں پایا جاتا ہے۔ یہ سیدھا سادہ مگر مؤثر نمونہ دنیا بھر کی جماعتوں کے لئے برکت کا باعث ثابت ہوا ہے۔

تہذیب اور اُمت

جتنے ہی اُمت بڑھتی گئی اُتنا ہی اُس کی رفاقت میں مختلف تہذیبوں کے لوگ شامل ہوئے۔ مثلاً یہودی عیسائی اپنے بچوں کو ختنہ دیتے تھے جبکہ غیر یہودی ایمان دار یہ نہیں کرتے تھے۔ یہودی عیسائیوں کا پہناوا اور کھانے پینے کا رواج غیر یہودی عیسائیوں کے رواج سے فرق تھا۔ یہ دیکھ کر اُمت اُلجھن میں پڑ گئی۔ سوال یہ تھا کہ کیا عیسائیوں کی رسم و رسوم ایک ہی ہونی چاہئیں؟ پرانے عہدنامے کے تمام لوگ ایک ہی تہذیب سے تعلق رکھتے تھے۔ کیا یہ نئے عہدنامے میں بھی ضروری

ہے؟ خاص طور سے ختنے کا رواج مشکل تھا، کیونکہ پرانے عہدنامے میں ختنہ اُمت کا نشان تھا۔

آخرکار ایک بڑی کانفرنس تقریباً 43 میں منعقد ہوئی۔ رسول اور دیگر راہنماؤں نے اِس پر غور کیا کہ پرانے عہدنامہ کیا فرماتا ہے۔ اُنہوں نے لوگوں کی رپورٹیں بھی سنیں کہ غیریہودی ایمان داروں میں روح القدس کس طرح کام کر رہا ہے۔ آخرکار اُمت نے فیصلہ کیا کہ یہودی اور غیر یہودی عیسائی اپنی تہذیب میں ہی رہ سکتے ہیں۔ اُنہیں کھانے پینے کے یہودی اصول یا ختنے کا رواج اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن لازم ہے کہ وہ تمام بُری حرکتوں سے پرہیز کریں، مثلاً حرام کاری اور بت پرستی سے تعلق رکھنے والے کاموں سے (اعمال 15:1-35)۔

یروشلم کی کانفرنس کا یہ فیصلہ اہم ترین تھا۔ اِس کا مطلب تھا کہ اُمت میں ہمیشہ تہذیبی گنجائش ہو گی۔ جہاں بھی انجیل کی منادی کی جاتی ہے وہاں لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ یہ خوش خبری قبول کرکے اُسے مقامی جامہ پہنائیں۔ کہ وہ اپنے روحانی تجربے کو اپنی تہذیب کا لباس پہنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مذہبوں کے مقابلے

میں عیسائی اُمت میں زیادہ تہذیبی تنوع پایا جاتا ہے۔ ہر معاشرے میں ایمان داروں کو آزادی ہے کہ وہ ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب میں قائم رہیں۔

تاہم اُمت میں ایک عجیب و غریب اتحاد پایا جاتا ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے،

> ایک ہی بدن اور ایک ہی روح ہے۔ یوں آپ کو بھی ایک ہی اُمید کے لئے بُلایا گیا۔ ایک خداوند، ایک ایمان، ایک بپتسمہ ہے۔ ایک خدا ہے، جو سب کا واحد باپ ہے۔ وہ سب کا مالک ہے، سب کے ذریعے کام کرتا ہے اور سب میں موجود ہے۔
>
> (افسیوں 4:4-6)

اُمت کی یگانگت یوں ہے کہ لوگ تنوع کے باوجود متحد رہتے ہیں۔ یوں انجیل جلیل فرماتی ہے،

> اب نہ یہودی رہا نہ غیر یہودی، نہ غلام رہا نہ آزاد، نہ مرد رہا نہ عورت۔ مسیح عیسیٰ میں آپ سب کے سب ایک ہیں۔ (گلتیوں 28:3)

اُمت میں گوناگونی اور یگانگت

کبھی کبھی یہ تنوع عیسائیوں میں غلط فہمیوں کا باعث بن گیا ہے۔ اِس تنوع کی وجہ سے مختلف فرقے بن گئے ہیں۔ مثلاً انگلینڈ میں اینگلیکن چرچ قائم ہوا۔ اِس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ مقامی لوگ اپنی انگریزی تہذیب کے مطابق عبادت کرنا چاہتے تھے۔ یہ چرچ زیادہ تر اِسی لئے قائم ہوئی۔ اِسی طرح کچھ افریقی فرقے اِس لئے قائم ہوئے کہ وہ اپنی افریقی تہذیب پر زیادہ زور دینا چاہتے ہیں۔

لیکن ہر فرقہ اِس وجہ سے قائم نہیں ہوا۔ کبھی کبھی عیسائی اِس لئے تقسیم ہوئے کہ وہ تعلیم کے کسی پہلو پر متفق نہیں تھے۔ ایک خاص مثال کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی تفریق ہے۔ ایک خاص وجہ دونوں فرقوں کا کتابِ مقدّس کے بارے میں خیال تھا۔ پروٹسٹنٹ

مانتے ہیں کہ اُمت میں صرف اور صرف کتابِ مقدّس کا اختیار ہونا چاہیئے۔ کیتھولک سمجھتے ہیں کہ کلامِ پاک سے بڑھ کر دیگر رسومات اور راہنمائی کے اصول بھی مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔ بعد میں پروٹسٹنٹ فرقہ کبھی تہذیبی اور کبھی تعلیمی اختلاف کے سبب سے تقسیم ہوا۔

عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ تہذیبی تنوع کلامِ پاک کے مطابق ہی ہے۔ مگر ساتھ ساتھ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جب تقسیم ہونے کی وجہ سے رفاقت میں رکاوٹ آ جاتی ہے، تو یہ گناہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اِس طرح کی تقسیم اِس بات کا ثبوت ہے کہ آپس میں محبت کمزور ہے۔ اِس قسم کی تقسیم کئی بار گناہ ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں ایسی تحریکیں بھی وجود میں آئی ہیں جو یہ تقسیم دُور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

کچھ ممالک میں مختلف فرقوں کی کونسلوں نے تشکیل پائی ہے تاکہ عیسائی ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور تعاون کریں۔ یہ کچھ بین الاقوامی سطح پر بھی ہوا ہے۔ مثلاً ورلڈ کونسل آف چرچز اور ورلڈ ایونجلیکل فیلوشپ جو عیسائیوں کی مدد کرتا ہے کہ وہ مل کر اور محبت کی روح میں کام کر سکیں۔

کروڑوں عیسائیوں کی خواہش یہ ہے کہ اُس دعا کے مطابق چلیں جو المسیح نے کی،

> وہ کامل طور پر ایک ہوں۔ (یوحنا 23:17)

بے شک ہم مکمل طور سے ایک نہیں ہیں! پھر بھی روح القدس آج عیسائیوں کی مدد کر رہا ہے تاکہ وہ مسیح میں تنوع اور یگانگت دونوں قبول کریں۔

مسلمان کا جواب

مسلم اُمت بھی ایک عمارت نہیں ہے۔ یہ ایمان داروں کی برادری ہے۔ عیسائی اُمت وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں۔ اِس کے مقابلے میں مسلم اُمت وہ لوگ ہیں جو پوری طرح اللہ تعالیٰ کے تابع ہو کر ختمِ نبوت کی ہدایات پر چلتے ہیں۔ عیسائی کا انتظام اسلام کے انتظام سے بہت مختلف ہے۔ مسلم اُمت کے مخصوص شدہ راہنما نہیں ہوتے۔ اُمت میں قرآن شریف، حضرت محمد ﷺ کی سنت اور شریعت اُمت کی راہنمائی کرتے ہیں۔

ہم اِس بات کی قدر کر سکتے ہیں کہ عیسائی اُمت میں تہذیبی تنوع پایا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس بات نے عیسائیوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کی ہیں۔ بلکہ یہ جماعتوں میں تقسیم و تفریق کا سبب بنا ہے۔ اِس کے مقابلے میں اسلام میں پوری اُمت کی ایک ہی مسلم تہذیب ہے۔ اُمت میں بھی کچھ تنوع ہے۔ مگر مجموعی طور پر اُمت تہذیبوں، ملکوں، قوموں اور زبانوں سے متاثر نہیں ہوتی۔ اِس سبب سے مسلمان افریقی اسلام، ترکی اسلام، چینی اسلام یا امریکی اسلام کی بات نہیں چھیڑتے۔

اللہ روح ہے، اِس لئے لازم ہے کہ اُس کے پرستار روح اور سچائی سے اُس کی پرستش کریں۔ (یوحنا 24:4)

عبادت اور رفاقت

عیسائی رواج

عیسائی ہفتے میں کم ازکم ایک بار گھر میں، کسی پیڑ کے سائے میں یا کسی خاص عمارت میں عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جہاں وہ عبادت کرتے ہیں اُس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ایمان دار اُس سچے خدا کے نام میں جمع ہو جائیں جس نے اپنے آپ کو باپ، فرزند اور روح القدس کی حیثیت سے ظاہر کیا ہے۔ عبادت میں تثلیث فی التوحید مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔

یہ بات ظاہر ہوتی ہے جب عیسائی دعا کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے جو آسمانی باپ ہے مخاطب ہوتے ہیں۔ وہ فرزند کے نام میں دعا کرتے ہیں جس نے اپنی جان دینے سے الٰہی محبت کا اظہار کیا۔ اور وہ روح القدس کی قوت میں دعا کرتے ہیں جو اُن کی زندگیوں میں اللہ کی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ یہ کچھ تمام عیسائی عبادتوں میں پایا جاتا ہے۔

اِس بات کو چھوڑ کر عیسائی عبادتوں میں بہت گنجائش پائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ سن 43 میں یروشلم کی کانفرنس میں اُمت نے تہذیبی تنوع کی تصدیق کی۔ تب سے لے کر آج تک عیسائی عبادتوں میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ کچھ عیسائی بلند آواز میں مل کر دعا کرتے ہیں۔ کچھ میں صرف جماعت کا راہنما ہی دعا کرتا ہے۔ کچھ کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں اور کچھ گھٹنے ٹیک کر۔ کچھ سامنے صلیب یا موم بتیاں لگاتے ہیں جبکہ کچھ اِس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کچھ قدیم دستور کو اہمیت دیتے ہیں جبکہ کچھ اللہ کے کلام کی منادی پر زور دیتے ہیں۔ گو قسم قسم کی عبادت منائی جاتی ہے پھر بھی سب مل

کر خوشی مناتے ہیں کہ خدا باپ نے المسیح کے وسیلے سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے اور کہ وہ اب بھی پاک روح کے ذریعے ہمارے درمیان ہے۔

گو عیسائیوں کی عبادتوں میں بہت تنوع ہے تو بھی کئی ایک رسومات عام ہیں۔ اب ہم اِن کا ذکر کریں گے۔

بپتسمہ

آسمان پر صعود فرمانے سے پہلے المسیح نے فرمایا،

> جاؤ، تمام قوموں کو شاگرد بنا کر اُنہیں باپ، فرزند اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور اُنہیں یہ سکھاؤ کہ وہ اُن تمام احکام کے مطابق زندگی گزاریں جو مَیں نے تمہیں دیئے ہیں۔ (متی 28:19-20)

شاگرد پنتکست کی عید پر ہی یہ کچھ کرنے میں جُٹ گئے۔ اُس وقت تقریباً تین ہزار افراد نے ایمان لا کر بپتسمہ لیا اور یوں اُمت میں شامل ہوئے (اعمال 2:37-42)۔ ایمان لانا اور بپتسمہ لینا ایک ساتھ چلتے ہیں۔

اُس دن سے لے کر آج تک اُمت اُن کو پبتسمہ دیتی آئی ہے جو ایمان لائے ہیں۔ اُس وقت سے لوگ اِس طریقے سے اُمت میں شامل ہوتے ہیں۔

پبتسمے کی رسم میں ذیل کی باتیں شامل ہیں:

- گواہوں کے سامنے المسیح پر ایمان رکھنے کا اقرار۔
- باپ فرزند اور روح کے نام میں پانی میں پبتسمہ لینا۔

کچھ جماعتوں میں بچوں کا پبتسمہ ہوتا ہے۔ اِس صورت میں ماں باپ یا سرپرست بچے کے عوض ایمان کا اقرار کرکے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ روحانی باتوں میں بچے کی راہنمائی کریں گے۔ تمام جماعتوں میں پبتسمہ پاکیزگی، روح القدس کے حصول اور اُمت میں شمولیت کا نشان ہے۔ کچھ جماعتوں میں سر پر پانی کی کچھ بوندیں چھڑکی جاتی ہیں جبکہ دیگر جماعتوں میں ہتھیلی بھر پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ جماعتوں میں نومرید کو پانی میں پوری طرح ڈبویا جاتا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کے گناہ دفن کئے گئے ہیں۔ پانی سے باہر آنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے مسیح کے ساتھ جی اٹھ کر نئی اور ابدی زندگی پائی ہے۔

کچھ جماعتیں نومرید کو المسیح پر ایمان لانے کے عین بعد بپتسمہ دیتی ہیں۔ مگر زیادہ تر جماعتوں میں نومرید کو پہلے بپتسمے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اِس کے دو سبب ہیں۔ پہلے، نئے ایمان دار کو تعلیم اور رسومات سکھائے جائیں۔ دوسرے، یہ جانچنے کے لئے کہ کیا نومرید نے سچے دل سے یہ راستہ اختیار کر لیا ہے۔ لازم ہے کہ ایمان دار راست باز زندگی گزارے۔ جماعت یہ جاننا چاہتی ہے کہ کیا نومرید کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے۔ تعلیم پانے کے بعد نومرید دوسروں کے سامنے بپتسمہ لیتا ہے۔

جن جماعتوں میں بچوں کو بپتسمہ دیا جاتا ہے وہاں طریقہ کچھ فرق ہوتا ہے۔ اِن جماعتوں میں بچے کو لگ بھگ بارہ سال کی عمر میں تعلیم دی جاتی ہے۔ جب جماعت کو بچے کے بارے میں تسلی ہے تو اِس کی تصدیق ایک خاص عبادت میں کی جاتی ہے۔ اُس وقت سے وہ جماعت کا فُل ممبر ہے جو عشائے ربانی میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔

اتوار کی عبادت

ہر ایمان دار کا فرض یہ ہے کہ وہ باقاعدگی سے عبادت کی صورت میں دوسروں سے رفاقت رکھے۔ کچھ روزانہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ کم

ازکم ہفتے میں ایک بار جمع ہوتے ہیں۔ عام طور پر عبادت اتوار کو ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ المسیح اتوار کی صبح مُردوں میں سے زندہ ہوئے۔ جب عیسائی اتوار کی صبح جمع ہوتے ہیں تو اِس لئے کہ وہ خوشی مناتے ہیں کہ المسیح جی اٹھے۔

اتوار کی عبادت ہر ایک جماعت کے دستور کے حساب سے فرق ہوتا ہے۔مگر تمام فِرقوں میں عبادت کے دو مرکزی پہلو ہیں۔ پہلے، اپنے گناہوں کا اقرار۔ دوسرے، اِس کی خوشی منائی جاتی ہے کہ المسیح نے ہمیں نجات دی ہے۔ اکثر عبادتوں میں کتابِ مقدّس کی تلاوت پر زور دیا جاتا ہے۔ روحانی گیت گائے جاتے اور دعائیں کی جاتی ہیں۔ عام طور پر اُمت کا کوئی بزرگ وعظ سناتا ہے۔ کچھ جماعتوں میں ہر اتوار کو عشائے ربانی منائی جاتی ہے، کچھ میں روزانہ اور کچھ میں ماہوار۔

عشائے ربانی

عشائے ربانی المسیح کی موت اور جی اٹھنے کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ توریت کی عیدِ فسح عشائے ربانی کا مطلب سمجھنے میں ہماری مدد کرتی ہے (خروج 12)۔ جب اللہ نے اسرائیلیوں کو فرعون کی غلامی سے

چھڑایا تو اُس نے حکم دیا کہ ہر خاندان ایک بے عیب لیلا قربان کرکے اُس کا خون چوکھٹ کے اوپر والے حصے اور دائیں بائیں کے بازوؤں پر لگائے۔ پھر پورا خاندان مل کر اُس کا گوشت آگ میں بھون کر کھائے تاکہ سفر کے لئے تقویت مل جائے۔

اُس رات کو رب کا فرشتہ ملک میں سے گزرا۔ جن گھروں کے چوکھٹوں پر خون کا نشان نہیں تھا اُن کے پہلوٹھوں کو اُس نے قتل کیا۔ جب مصریوں نے دیکھا کہ اُن کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے تو اُنہوں نے اسرائیلیوں سے منت کی کہ ہمارے ملک سے چلے جاؤ۔ یہ عظیم واقعہ فسح کہلاتا ہے کیونکہ اللہ کے فرشتے نے اُن خاندانوں کو چھوڑ دیا جن کے چوکھٹوں پر خون کا نشان تھا۔

اِس کی یاد میں ہر سال اسرائیلی عیدِ فسح مناتے ہیں۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ اللہ نے اُن کو غلامی اور موت سے بچایا۔ جو بے عیب لیلا اُنہوں نے مصر میں قربان کیا وہ نجات کا نشان ہے۔

المسیح کو عیدِ فسح کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ آپ کے صلیبی موت کی رات ہی آپ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ فسح کا کھانا کھایا۔

کھانے کے دوران عیسیٰ نے روٹی لے کر شکرگزاری کی دعا کی اور اُسے ٹکڑے کر کے شاگردوں کو دے دیا۔ اُس نے کہا، "یہ لو اور کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔" پھر اُس نے مے کا پیالہ لے کر شکرگزاری کی دعا کی اور اُسے اُنہیں دے کر کہا، "تم سب اِس میں سے پیو۔ یہ میرا خون ہے، نئے عہد کا وہ خون جو بہتوں کے لئے بہایا جاتا ہے تاکہ اُن کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے۔ مَیں تم کو سچ بتاتا ہوں کہ اب سے مَیں انگور کا یہ رس نہیں پیوں گا، کیونکہ اگلی دفعہ اِسے تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں ہی پیوں گا۔" (متی 26:26-29)

یہ پہلی عشائے ربانی تھی۔ خود المسیح نے اُسے قائم کیا۔

اُمت عیدِ فسح کے بدلے میں عشائے ربانی مناتی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ عیدِ فسح نے لوگوں کو اُس قربانی کے لئے تیار کیا جو المسیح کی صلیبی موت سے سرانجام ہوئی۔

روٹی المسیح کے جسم کا نشان ہے۔ انگور کا رس آپ کے خون کا نشان ہے جو صلیب پر ہماری نجات اور معافی کے لئے بہایا گیا۔

عشائے ربانی اتحاد کا نشان بھی ہے۔جس طرح المسیح نے ایک ہی پیالے سے انگور کا رس پلایا اور ایک ہی روٹی کو تقسیم کر کے کھلایا اُسی طرح عیسائی بھی ایک ہی روٹی سے کھاتے اور ایک ہی پیالے میں سے پیتے ہیں۔ اِس طریقے سے اُمت کی رفاقت نئے سرے سے ٹھوس ہو جاتی ہے۔عشائے ربانی میں مسیح میں یگانگت منائی جاتی ہے۔

عشائے ربانی اللہ اور انسان کے بیچ میل ملاپ کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ روٹی اور انگور کا رس جماعت میں خدا کی حضوری کے نشان ہیں۔ زندگی کے مادی اور روحانی پہلو عشائے ربانی میں متحد ہوتے ہیں۔عشائے ربانی میں انسان کو اللہ کا فضل ملنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اُس میں ہم اپنے آسمانی باپ سے رفاقت رکھتے ہے۔

خدمت

خدمت بھی عیسائی عبادت کا ایک حصہ ہے۔نجات اور روح القدس کا تجربہ مسیح کے پیروکار کو آزادی اور خوشی سے خدمت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ کتابِ مقدّس فرماتی ہے،

> بھائیو، اللہ نے آپ پر کتنا رحم کیا ہے! اب ضروری ہے کہ آپ اپنے بدنوں کو اللہ کے لئے مخصوص کریں، کہ وہ ایک ایسی زندہ اور مُقدّس قربانی بن جائیں جو اُسے پسند آئے۔ (رومیوں 1:12)

عبادت میں یہ شامل ہے کہ ہم اپنے آپ کو قربان کرکے دوسروں کی خدمت کریں۔ یہ خدمت ظاہر کرنے کے لئے اکثر جماعتیں ہدیئے اکٹھے کرتے ہیں تاکہ ضرورت مندوں کی مدد کریں۔ یہ ہدیئے ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ نے ہمارا چھٹکارا دیا ہے اُسی طرح ہمیں بھی دوسروں کی خدمت کرنی چاہیئے۔

ہم نے عبادت کے کئی اہم پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ بے شک ہر جماعت مختلف پہلوؤں پر زور دیتی ہے۔ مثلاً پروٹسٹنٹ جماعتیں

وعظ پر زور دیتے ہیں جبکہ کیتھولک جماعتیں عشائے ربانی کی رسم پر زور دیتے ہیں۔ تو بھی عبادت کی مرکزی بات یہ ہے کہ لوگ اللہ کی یگانگت اورمحبت کی خوشی منائیں۔ جب ہم عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ المسیح کا وعدہ سچ ہے کہ

> جہاں بھی دو یا تین افراد میرے نام میں جمع ہو جائیں وہاں مَیں اُن کے درمیان ہوں گا۔ (متی 20:18)

عبادت کرتے وقت جماعت اللہ کے روح کے وسیلے سے محسوس کرتی ہے کہ المسیح موجود ہیں۔

مسلمان کا جواب

عیسائی عبادت مسلم عبادت سے سراسر فرق ہے۔مسلمان کے نزدیک عبادت نماز سے کہیں زیادہ ہے۔ عبادت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا مالک ہے اور مَیں اُس کا غلام ہوں۔ جو بھی غلام اپنے مالک کی خدمت میں کرتا ہے وہ عبادت ہے۔ ہر ایک نیک کام جو اللہ کو خوش کرنے کے لئے کیا جاتا ہے وہ عبادت ہے۔ عبادت کی کچھ رسومات

ہیں جو لازمی قرار دیئے گئے ہیں۔ جو اُنہیں ادا نہ کرے اُس سے گناہ سرزد ہوتا ہے یا اُس کی مسلم حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

توحید کے اقرار کے علاوہ عبادت کا سب سے لازمی فرض نماز ہے۔ نماز عیسائی عبادت سے سراسر فرق ہے۔ تمام دنیا میں وہ ایک جیسی ہے۔ تمام ایمان دار ایک صف میں کھڑے ہو کر امام کے پیچھے ہر ایک حرکت کی پیروی کرتے ہیں۔ نماز کی یہ تمام رسوم سراسر ایک جیسی ہیں۔

نماز کا خاص مرکز اللہ تعالیٰ ہے۔ نماز میں مسلم سیدھے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے نہ کہ کسی درمیانی کے وسیلے سے۔

اللہ کی بادشاہی کھانے پینے کی چیزوں پر قائم نہیں ہے بلکہ راست بازی، صلح سلامتی اور روح القدس میں خوشی پر۔ (رومیوں 17:14)

چال چلن

ٹھیک چال چلن

عیسائی چال چلن کس نمونے پر چلتا ہے؟

- المسیح نے فرمایا،

> 'رب اپنے خدا سے اپنے پورے دل، اپنی پوری جان اور اپنے پورے ذہن سے پیار کرنا۔' یہ اوّل اور سب سے بڑا حکم ہے۔ اور دوسرا حکم اِس کے برابر یہ ہے، 'اپنے پڑوسی سے ویسی محبت رکھنا

> جیسی تُو اپنے آپ سے رکھتا ہے۔' تمام شریعت اور نبیوں کی تعلیمات اِن دو احکام پر مبنی ہیں۔
>
> (متی 22:37-40)

محبت ٹھیک چال چلن کی کنجی ہے۔ اپنے پڑوسی سے حقیقی محبت صرف دل سے اُبھر آتی ہے۔ محبت قانون سے بڑھ کر ہے۔ اہم بات دل کا رجحان ہے۔ اپنے ہم انسانوں سے محبت ٹھیک چال چلن کی بنیاد ہے۔

- روح القدس ہمارے اندر سکونت کرتا ہے تاکہ ہماری راہنمائی کرے۔ صلیبی موت سے پہلے المسیح نے وعدہ کیا کہ مَیں آسمان پر صعود فرمانے کے بعد روح القدس کو بھیجوں گا۔

> جب سچائی کا روح آئے گا تو وہ پوری سچائی کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گا۔ (یوحنا 16:13)

المسیح نے یہ بھی وعدہ کیا کہ

> جب وہ آئے گا تو گناہ، راست بازی اور عدالت کے بارے میں دنیا کی غلطی کو بے نقاب کر کے یہ ظاہر کرے گا۔ (یوحنا 8:16)

اللہ روح القدس کے وسیلے سے ایمان دار میں حاضر رہتا ہے۔ روح القدس اُمت اور ایمان دار کی سچائی اور راست بازی میں راہنمائی کرتا ہے۔ یہ نہ صرف کوئی ظاہری قانون ہے بلکہ دل کی بات۔

- روح القدس ایمان دار کی زندگی میں اللہ کی وہ تصویر بحال کرتا ہے جو انسان کے اللہ سے پھرنے سے بگڑ گئی تھی۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہر انسان کی راست بازی بحال ہو جائے۔ ظاہری قانون کا غلام بننے سے کوئی بھی بحال نہیں ہوتا۔ شاید وہ دل میں شریر خیال رکھے مگر ظاہری طور سے راست باز دکھلائے۔ المسیح کو انسان کے دل کی فکر ہے جہاں سے راست بازی اور بُرائی پیدا ہوتی ہیں۔ اِسی لئے المسیح نے مذہبی راہنماؤں کی ملامت کی،

شریعت کے عالمو اور فریسیو، تم پر افسوس! ریاکارو! تم باہر سے ہر پیالے اور برتن کی صفائی کرتے ہو، لیکن اندر سے وہ لُوٹ مار اور عیش پرستی سے بھرے ہوتے ہیں۔ اندھے فریسیو، پہلے اندر سے پیالے اور برتن کی صفائی کرو، اور پھر وہ باہر سے بھی پاک صاف ہو جائیں گے۔ (متی 23:25-26)

پوری انجیل میں باطنی تبدیلی، بحالی اور مسیح کی مانند ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ انجیل فرماتی ہے،

اپنے پرانے انسان کو اُس کے پرانے چال چلن سمیت اُتار دینا، کیونکہ وہ اپنی دھوکے باز شہوتوں سے بگڑتا جا رہا ہے۔ اللہ کو آپ کی سوچ کی تجدید کرنے دیں اور نئے انسان کو پہن لیں جو یوں بنایا گیا ہے کہ وہ حقیقی راست بازی اور قدوسیت میں اللہ کے مشابہ ہے۔ (افسیوں 4:22-24)

جو لوگ روح القدس کی راہنمائی میں رہتے ہیں وہ کس طرح جان سکتے ہیں کہ وہ سچ مچ راست باز اور پاک زندگی گزار رہے ہیں؟

توریت شریف تفصیل سے صحیح چال چلن اور عبادت کی ہدایات پیش کرتی ہے۔ صحیح چال چلن کا خلاصہ دس احکام میں قلم بند کیا گیا ہے (خروج 20:1-17):

- اللہ کے سوا کسی اَور معبود کی پرستش نہ کرنا۔
- اپنے لئے بُت نہ بنانا۔
- رب اپنے خدا کا نام بےمقصد یا غلط مقصد کے لئے استعمال نہ کرنا۔
- ساتواں دن مخصوص و مقدس ہو۔
- اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا۔
- قتل نہ کرنا۔
- زنا نہ کرنا۔
- چوری نہ کرنا۔
- اپنے پڑوسی کے بارے میں جھوٹی گواہی نہ دینا۔

- اپنے پڑوسی کی کسی بھی چیز کا لالچ نہ کرنا۔

تمام عیسائیوں کو اُن اصولوں پر جو دس احکام میں ظاہر کی گئی ہیں قائم رہنا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ اور دوسروں سے محبت رکھنے پر مبنی ہوتے ہیں۔ تورات فرماتی ہے کہ ہم اللہ اور اپنے پڑوسیوں سے محبت رکھیں (استثنا 4:6؛ احبار 18:19)۔ بعد میں المسیح نے اِس کی تصدیق کرکے فرمایا کہ یہ حکم سب سے اہم حکم ہے۔ کتابِ مقدّس کے دیگر تمام احکام کا خلاصہ اِس حکم میں پایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا

> تمام شریعت اور نبیوں کی تعلیمات اِن دو احکام پر مبنی ہیں۔ (متی 40:22)

المسیح نے یہ بھی فرمایا کہ

> ایک دوسرے کو ویسے پیار کرو جیسے مَیں نے تم کو پیار کیا ہے۔ (یوحنا 12:15)

اپنی زندگی اور تعلیم سے آپ نے یہ محبت ظاہر کی۔ محبت کے سبب سے المسیح نے بیماروں کو شفا دی اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کیا۔ آپ نے

گناہ گاروں کے گناہوں کو معاف کیا۔ جو معافی آپ نے صلیب پر ظاہر کی وہ سب سے عظیم محبت کا اظہار ہے۔ ساتھ ساتھ آپ کی محبت کے بارے میں تعلیم بھی اہم ہے۔

ایک موقعے پر المسیح اپنے شاگردوں کو ایک پہاڑ پر لے گئے تاکہ اُنہیں دین کے اصولوں کی تعلیم دیں۔ آپ نے فرمایا کہ سچی راست بازی اِس پر منحصر ہے کہ ہم اپنے دلوں کو اللہ کو مخصوص کریں۔ یہ تعلیمات پہاڑی وعظ کہلاتی ہیں۔ وہ متی 5-7 میں قلم بند کی گئی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہاڑی وعظ کو یہ کہتے ہوئے شروع فرمایا کہ

> مبارک ہیں وہ جن کی روح ضرورت مند ہے، کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔ (متی 5:3)

عیسائی مانتے ہیں کہ

> اللہ کی بادشاہی کھانے پینے کی چیزوں پر قائم نہیں ہے بلکہ راست بازی، صلح سلامتی اور روح القدس میں خوشی پر۔ (رومیوں 14:17)

المسیح نے فرمایا کہ جن کی روح ضرورت مند ہے وہی اللہ کی بادشاہی میں داخل ہوں گے۔یعنی صرف وہی جو اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتے ہیں، جو جانتے ہیں کہ ہماری اللہ کے ساتھ رفاقت ٹھیک نہیں ہے، جو معافی کی تلاش میں ہیں۔ صرف اِن ہی کو اللہ کی نجات حاصل ہوتی ہے۔ اِن ہی کو روح القدس کی بحال کرنے والی قوت حاصل ہوتی ہے۔تب اُن کا دوسروں سے رویہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً :

صلح سلامتی

توریت شریف فرماتی ہے کہ قتل نہ کرنا۔مگر المسیح نے فرمایا کہ نفرت کرنا بھی غلط ہے۔نفرت ہی لوگوں کو قتل پر اُبھار دیتی ہے۔ ضروری ہے کہ دوسروں سے بُری سوچ نہ رکھیں۔ المسیح نے فرمایا،

> مَیں تم کو بتاتا ہوں کہ جو بھی اپنے بھائی پر غصہ کرے اُسے عدالت میں جواب دینا ہو گا۔ (متی 22:5)

شادی

توریت شریف فرماتی ہے کہ زنا نہ کرنا (خروج 14:20) مگر المسیح نے فرمایا،

> جو کسی عورت کو بُری خواہش سے دیکھتا ہے وہ اپنے دل میں اُس کے ساتھ زنا کر چکا ہے۔ (متی 28:5)

زنا کاری شادی اور زنا کار دونوں کو برباد کر دیتی ہے۔ اِسی سبب سے المسیح نے فرمایا کہ اگر تمہارے جسم کا کوئی عضو جیسے کہ آنکھ تجھے گناہ کرنے پر اُکسائے تو بہتر یہ ہے کہ اُسے نکال کر پھینک دے تاکہ تُو آزمائش سے بچ سکے۔

> اِس سے پہلے کہ تیرے پورے جسم کو جہنم میں ڈالا جائے بہتر یہ ہے کہ تیرا ایک ہی عضو جاتا رہے۔ (متی 29:5)

المسیح نے سکھایا کہ طلاق بھی غلط ہے۔

> یہ بھی فرمایا گیا ہے، 'جو بھی اپنی بیوی کو طلاق دے وہ اُسے طلاق نامہ لکھ دے۔' لیکن مَیں تم کو بتاتا ہوں کہ اگر کسی کی بیوی نے زنا نہ کیا ہو تو بھی شوہر اُسے طلاق دے تو وہ اُس سے زنا کراتا ہے۔ اور جو طلاق شدہ عورت سے شادی کرے وہ زنا کرتا ہے۔ (متی 5:31-32)

طلاق بُری بات ہے کیونکہ یہ وہ رشتہ توڑ دیتا ہے جسے اللہ نے باندھا تھا۔ جب اللہ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو بنایا تو وہ ایک ہو گئے (پیدائش 2:24)۔ المسیح نے فرمایا،

> جسے اللہ نے جوڑا ہے اُسے انسان جدا نہ کرے۔
>
> (متی 19:6)

توریت نے لوگوں کو اُن کے دلوں کی سختی کے سبب سے طلاق کی اجازت دی تھی (متی 19:8)۔ مگر طلاق کا یہ رواج نئے عہد کے لوگوں میں کبھی نہیں ہونا چاہئے جن میں روح القدس سچی راست بازی قائم کر رہا ہے (متی 5:31-32)۔

کتابِ مقدّس کثرت الازواج کو منع نہیں کرتی۔ تاہم اکثر جماعتیں کثرت الازواج کی اجازت نہیں دیتیں۔ گو توریت کے زمانے میں کچھ آدمیوں نے ایک سے زائد بیویاں رکھیں مگر اُن میں سے ایک کا بھی انتظام تسلی بخش نہیں لگتا۔ اُن میں سے اکثر دکھی تھے۔ کثرت الازواج شادی کے اتحاد کو بگاڑ دیتی ہے۔

ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے وفادار رہیں۔ اگر ایک آدمی کے چند بیویاں ہوں تو شادی کا گہرا مقصد برباد ہو جاتا ہے۔ یوں کتابِ مقدّس فرماتی ہے،

> شوہرو، اپنی بیویوں سے محبت رکھیں، بالکل اُسی طرح جس طرح مسیح نے اپنی جماعت سے محبت رکھ کر اپنے آپ کو اُس کے لئے قربان کیا۔ (افسیوں 25:5)

ایمان داری

توریت فرماتی ہے،

> اپنے پڑوسی کے بارے میں جھوٹی گواہی نہ دینا۔
>
> (خروج 16:20)

المسیح نے اِس حکم کا اندرونی مطلب بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ قَسم بھی نہیں کھانا چاہیئے، کیونکہ جو قَسم کھاتا ہے وہ کسی وقت جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ مگر سچے پیروکار کو کبھی بھی قَسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اُس کی بات ہمیشہ سچ ہوتی ہے۔ سچا پیروکار صرف "ہاں" یا "نہ" کہے تو اُس کے ساتھیوں کو یقین ہے کہ اُس نے سچ کہا ہے۔

معافی

سب سے بڑا حکم اللہ اور اپنے پڑوسی سے محبت رکھنا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو بھی معاف کریں۔ توریت نے فرمایا تھا،

> آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔
>
> (خروج 16:20)

مگر المسیح فرماتے ہیں،

> اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اُن کے لئے دعا کرو جو تم کو ستاتے ہیں۔ (متی 44:5)

اگر کوئی آپ کے دہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرے کو بھی پیش کریں۔ اگر کوئی آپ کا چوغہ لے تو کُرتہ بھی اُسے لینے دیں۔ اپنا انتقام نہ لو۔ کیونکہ بدلہ لینا اللہ کا کام ہے (رومیوں 19:12)۔

نفرت اور تشدد مزید نفرت اور زیادہ تشدد پیدا کرتے ہیں۔ بدلہ لینے سے نفرت ختم نہیں ہوتی۔ صرف معافی تشدد کو ختم کر سکتی ہے۔ صرف محبت نفرت کو برباد کر سکتی ہے۔ اگر ہمارے دشمنوں کو معلوم ہو کہ ہم اُن سے محبت کرتے ہیں تو وہ ہمارے دوست بن سکتے ہیں۔ پر اگر ہم تشدد کریں تو ہم دونوں چوٹ کھائیں گے اور ہمارے درمیان نفرت بڑھ جائے گی۔

دولت

توریت شریف فرماتی ہے کہ اپنے پڑوسی کی کسی بھی چیز کا لالچ نہ کرنا۔ لالچ ایک بُری خواہش ہے جو دوسرے کی ملکیت کو چھیننے کی

کوشش کرتی ہے۔ دولت اور دیگر چیزیں اپنانے کی خواہش لالچ کی جڑ ہے۔ اِس سے بڑھ کر المسیح نے فرمایا کہ دولت یا ملکیت پر بھروسا کرنے سے باز آؤ۔ ہم کو راست بازی کی تلاش کرنی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اللہ کی بادشاہی کی تلاش کرنی ہے۔ جب ہم تمام چیزوں کی نسبت اللہ سے زیادہ محبت رکھیں تب وہ ہماری دیگر ضروریات کو پورا کرے گا۔ المسیح نے فرمایا،

> پریشانی کے عالم میں فکر کرتے کرتے یہ نہ کہتے رہو، 'ہم کیا کھائیں؟ ہم کیا پئیں؟ ہم کیا پہنیں؟' ... پہلے اللہ کی بادشاہی اور اُس کی راست بازی کی تلاش میں رہو۔ پھر یہ تمام چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ (متی 6:31،33)

شاید وعظ کی سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ آپ نے فرمایا،

> ویسے ہی کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔ (متی 5:48)

ہم کس طرح اللہ جیسے راست باز ہو سکتے ہیں؟ یقیناً اِس طرح کی راست بازی صرف اُس وقت ممکن ہے جب روح القدس ہماری زندگیوں میں کام کرے۔ جب ہماری روح ضرورت مند ہو، جب ہم اپنی ناکامیوں اور گناہوں کا اقرار کرکے نجات پائیں۔

خلاصہ

> جب عیسیٰ نے یہ باتیں ختم کر لیں تو لوگ اُس کی تعلیم سن کر ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ وہ اُن کے علما کی طرح نہیں بلکہ اختیار کے ساتھ سکھاتا تھا۔ (متی 7:28-29)

عیسائی وہ ہیں جو المسیح کا اختیار تسلیم کرتے ہیں۔ وہ آپ کو خداوند اور نجات دہندہ جانتے ہوئے اللہ کی مرضی کے تابع رہتے ہیں۔ وہ المسیح کے پیروکار ہیں اور اُس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ ابتدائی ایمان دار سمجھتے تھے کہ جو مانتے ہیں کہ المسیح خداوند ہے وہ اللہ کی راہ پر چلتے ہیں (اعمال 26:18)۔ آج بھی جو المسیح کی پیروی کرتے ہیں وہ اللہ کی راہ پر چلتے ہیں۔ یہ محبت کی راہ ہے، وہی راہ جس پر المسیح نے زندگی گزاری۔

مسلمان کا جواب

چال چلن کے بارے میں مسلم سوچ بہت فرق ہے۔ ہم مسلمانوں کو ایک عالم گیر قانون حاصل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان ناقص ہے، اور اُس کا علم محدود ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ اُس کی راہنمائی شریعت کی تفصیلات اور اخلاقی قواعد سے کی جائے۔ گو انسان کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو بھی وہ یہ انجام دینے کا طریقہ نہیں جانتا۔ لہٰذا شریعت پوری تفصیل سے فرماتی ہے کہ کس طرح انصاف اور رحم کرنا ہے۔

دوسری طرف مسلمان اور عیسائی کا چال چلن ملتا جلتا ہے، حالانکہ عیسائی اُمت سمجھتی ہے کہ محبت سب سے اہم حکم ہے۔ بعض اوقات مسلمان کو محبت پر یہ زور زیادہ خیالی پلاؤ لگتی ہے۔

شادی اور طلاق کے معاملے میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں نااتفاقی ہے۔ اسلام میں شادی ایک آدمی اور ایک عورت کے بیچ معاہدہ ہے جو اللہ کے نام میں کیا جاتا ہے۔ یہ ایک پاک رواج ہے۔ اِس لئے ہر ایک کو یہ معاہدہ قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

لیکن اگر شادی میں میل ملاپ ناممکن ہو تو اسلام طلاق کی اجازت دیتا ہے۔مگر طلاق ایک آخری حل ہونا چاہیئے۔ حضرت محمّد ﷺ نے فرمایا کہ طلاق تمام باتوں سے زیادہ مکروہ ہے۔[a] اور قرآن شریف فرماتا ہے،

> جو عورتیں نیک ہیں سو تابع دار ہیں، نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے۔ اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو۔ پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو اُن پر راہ الزام کی۔
>
> (النسا 34:4)

اسلام مایوس، بے وفا، بے محبت اور بے پھل شادیاں برداشت نہیں کرتا۔ اِسی عملی وجہ سے طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

اِسی طرح اسلام کے نزدیک معافی ایک اعلیٰ نیکی ہے۔مگر اِسے عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں اِس کی اجازت ہے کہ مظلوم ظالم کا سامنا کرے تاکہ اُسے سزا دی جائے۔مگر ساتھ ساتھ اُسے

[a]Reported by Son of Omar, Abu Dawd and Hakim, *Fikqi Sunnah,* Vol. 11 (Beirut: Daarul-Kitabl-I-Alaby), p 241.

یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کو معاف کرے اِس امید سے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بدلہ لے گا۔ یوں قرآن شریف فرماتا ہے،

> اور بُرائی کا بدلا ہے بُرائی۔ ویسی ہی پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اُس کا ثواب ہے اللہ کے ذمے۔ بے شک اللہ کو پسند نہیں آتے گناہ گار۔
>
> (الشوریٰ 40:42)

نیز،

> جو ... دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔ (آل عمران 134:3)

عملی طور سے دیکھا جائے تو اسلام میں نہ آنکھ کے بدلے آنکھ کا اصول پایا جاتا ہے، نہ ہی یہ اصول کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو اُسے دوسرا گال پیش کرو۔ یہ بھی نہیں فرمایا گیا کہ اگر کوئی تمہاری قمیص چھین لے تو اُسے اپنی پتلون بھی دینا۔

پوری دنیا میں جا کر تمام مخلوقات کو اللہ کی خوش خبری سناؤ۔ (مرقس 15:16)

اُمت کا مشن

اُمت کے کام

المسیح نے اپنی خدمت درجِ ذیل الفاظ سے شروع کی،

> رب کا روح مجھ پر ہے، کیونکہ اُس نے مجھے تیل سے مسح کر کے غریبوں کو خوش خبری سنانے کا اختیار دیا ہے۔ اُس نے مجھے یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رِہائی ملے گی اور اندھے دیکھیں گے۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے کہ مَیں کچلے ہوؤں کو آزاد کراؤں اور

> رب کی طرف سے بحالی کے سال کا اعلان کروں۔
>
> (لوقا 4:18-19)

خوش خبری یہ تھی کہ اللہ کی بادشاہی قریب آ گئی ہے۔ آپ اِس بادشاہی کے مطابق زندگی گزارتے تھے بلکہ آپ خود ہی بادشاہی تھے۔ جو آپ پر ایمان لائے، اُنہیں ہر طرح کی شفا ملی، اُن کے گناہ بخشے گئے، لنگڑے چلنے پھرنے لگے، اندھوں کو بینائی حاصل ہوئی۔ المسیح میں اللہ کی بادشاہی دنیا میں آ گئی۔

اُمت المسیح کا یہ کام جاری رکھتی ہے (1 کُرنتھیوں 12،13)۔ وہ قوموں کے درمیان اللہ کی بادشاہی ظاہر کرتی ہے۔ جو کام روح القدس اُمت میں کر رہا ہے اُس سے اللہ کی بادشاہی ہمارے معاشرے اور ہماری زندگیوں میں داخل ہو رہی ہے۔ اُمت دنیا میں گواہی دیتی ہے کہ نجات قریب ہی ہے۔

اُمت کا مشن اِس پر مبنی ہے کہ اُسے نجات ملی ہے۔ جسے نجات ملی ہے وہ اللہ کی محبت سے مجبور ہو کر اپنے ساتھیوں کو یہ محبت پیش

کرتا ہے۔ جو محبت ہمیں المسیح کی قربانی سے ملی ہے وہ ہمیں دوسروں کی خدمت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یوں انجیل جلیل فرماتی ہے،

> محبت کی روح میں زندگی یوں گزاریں جیسے مسیح نے گزاری۔ کیونکہ اُس نے ہم سے محبت رکھ کر اپنے آپ کو ہمارے لئے اللہ کے حضور قربان کر دیا اور یوں ایسی قربانی بن گیا جس کی خوشبو اللہ کو پسند آئی۔ (افسیوں 2:5)

دوسروں سے محبت رکھنا عیسائی خدمت کا مرکز ہے۔

اُمت کس طرح اللہ کی بادشاہی کی موجودگی پیش کرتی ہے؟ وہ کس طرح دوسروں پر اللہ کی محبت ظاہر کرتی ہے؟ وہ کس طرح دنیا پر ظاہر کرتی ہے کہ المسیح کے ذریعے اللہ کی ابدی حکومت شروع ہوئی ہے؟ اُمت اپنی خدمت تین بنیادی طریقوں سے انجام دیتی ہے:

- اُمت اپنا مشن رفاقت کے ذریعے انجام دیتی ہے۔ اُمت کے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے محبت رکھو (1 کرنتھیوں 13)۔

محبت غیرمعمولی طور سے اُس وقت ظاہر ہوئی جب اُمت قائم ہوئی۔ انجیل فرماتی ہے،

> جو بھی ایمان لاتے تھے وہ ایک جگہ جمع ہوتے تھے۔ اُن کی ہر چیز مشترکہ ہوتی تھی۔ اپنی ملکیت اور مال فروخت کر کے اُنہوں نے ہر ایک کو اُس کی ضرورت کے مطابق دیا۔ روزانہ وہ یک دلی سے بیت المُقدّس میں جمع ہوتے رہے۔ ساتھ ساتھ وہ مسیح کی یاد میں اپنے گھروں میں روٹی توڑتے، بڑی خوشی اور سادگی سے رفاقتی کھانا کھاتے اور اللہ کی تمجید کرتے رہے۔ اُس وقت وہ تمام لوگوں کے منظورِ نظر تھے۔ اور خداوند روز بہ روز جماعت میں نجات یافتہ لوگوں کا اضافہ کرتا رہا۔ (اعمال 2:44-47)

یہ ابتدائی زمانہ غیرمعمولی تھا۔ لیکن آج بھی جہاں اُمت وفادار ہے وہاں ایمان دار ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی رکن کا گھر جل گیا تو ایمان دار ہدیئے جمع کرکے اُس کی مدد کرتے

ہیں۔ مقامی جماعتوں کے ایمان دار اَن گنت طریقوں سے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، وہ کچھ جو انجیل جلیل فرماتی ہے،

> اِس لئے آئیں، جتنا وقت رہ گیا ہے سب کے ساتھ نیکی کریں، خاص کر اُن کے ساتھ جو ایمان میں ہمارے بھائی اور بہنیں ہیں۔ (گلتیوں 10:6)

عیسائی اپنی محبت کا اظہار اُن بھائی بہنوں پر بھی کرتے ہیں جو دوسری جگہوں میں رہتے ہیں۔ ہر مقامی جماعت عالم گیر اُمت کا ایک حصہ ہے۔ عیسائی عالمگیر کونسلوں اور اداروں کے ذریعے بھی اِس محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

مثلاً اگر ایک ملک میں کال پڑے تو دوسرے ممالک کی جماعتیں اُن کی مالی مدد کرتی ہیں۔ ایک اَور مثال مہمان نوازی ہے۔ جب ہم سفر کرتے ہیں تو دوسرے ممالک کے بھائی بہنیں ہماری مہمان نوازی کرتے ہیں حالانکہ ہم پہلے سے ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔

مشن کے سلسلے میں رفاقت مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو عیسائی ایک دوسرے سے رکھتے ہیں۔ رفاقت ایک گواہی ہے کہ اللہ کی بادشاہی آ چکی ہے۔ المسیح نے فرمایا،

> اگر تم ایک دوسرے سے محبت رکھو گے تو سب جان لیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ (یوحنا 35:13)

- اُمت خدمت سے اپنے مشن کا اظہار کرتی ہے۔ اِس ناتے سے اُمت پوری دنیا میں سرگرم ہے۔ مثلاً پناہ گزینوں کی امداد، کال کی زد میں آنے والوں کی امداد، ہسپتال، تعلیمی ادارے، درخت لگانے کے منصوبے، کاشت کاری اور مویشی پالنے کے منصوبے، ذہنی مریضوں کے ادارے، نچلے طبقوں کے لئے گھر کے کارخانے، تعلیم بالغاں، سڑکوں کی تعمیر، کوڑھیوں کے ادارے وغیرہ۔ خدمت کی یہ فہرست بہت لمبی ہے۔

اِن خدمات سے اُمت اُن کاموں کو جاری رکھتی ہے جن کا آغاز المسیح نے کیا۔ یوں اُمت اللہ کی محبت کو دوسروں کو پیش کرتی ہے۔

اُمت کا فرض یہ ہے کہ جہاں بھی ضرورت ہو وہاں خدمت کرکے اللہ کی محبت کا اظہار کرے۔

اُمت یہ نہیں سمجھتی کہ وہ معاشرے کے تمام مسائل حل کر سکے۔ یہ ناممکن ہے۔ تاہم اُمت کا فرض ہے کہ اللہ کی بادشاہی کا ایک نشان ہو، کہ وہ معاشرے میں ضمیر کا کام کرے۔

کینیا کی ایک مثال لیجئے۔ کچھ سال پیشتر وہاں کے کافی بچوں کو سیکنڈری اسکول کی تعلیم سے محروم ہونے کے باعث نوکری نہ ملی۔ تب جماعتوں نے کئی پولی ٹیکنک اسکول کھولے تاکہ یہ بچے ترقی کرسکیں۔ یہ کوشش اِتنی کامیاب رہی کہ آج سارے پولی ٹیکنک اسکول سرکاری امداد کے ماتحت چلتے ہیں۔ اِس طرح کی اَن گنت مثالیں ہیں۔

- اُمت اپنا مشن خوش خبری سنانے سے انجام دیتی ہے۔ المسیح نے آسمان پرصعود فرمانے سے پہلے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ

> جاؤ، تمام قوموں کو شاگرد بنا کر اُنہیں باپ، فرزند اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور اُنہیں یہ سکھاؤ کہ وہ اُن تمام احکام کے مطابق زندگی گزاریں جو مَیں نے تمہیں دیئے ہیں۔ اور دیکھو، مَیں دنیا کے اختتام تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔
>
> (متی 28:19-20)

المسیح نے یہ بھی فرمایا کہ

> تمہیں روح القدس کی قوت ملے گی جو تم پر نازل ہو گا۔ پھر تم یروشلم، پورے یہودیہ اور سامریہ بلکہ دنیا کی انتہا تک میرے گواہ ہو گے۔ (اعمال 1:8)

اللہ نے اُمت کو حکم دیا کہ وہ خوش خبری کو زمین کی انتہاؤں تک لے جائے۔ عیسائیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جد و جہد کرکے خوش خبری سنائیں، کہ وہ لوگوں کو دعوت دیں کہ وہ توبہ کرکے اقرار کریں کہ المسیح اُن کا خداوند اور نجات دہندہ ہیں۔ اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ

ایمان لانے والوں کو بپتسمہ دے کر تعلیم دیں، کہ وہ نئی جماعتیں تمام قوموں کے درمیان قائم کریں۔ یہ حکم ارشادِ اعظم کہلاتا ہے۔
پنتکست کے عین بعد اُمت ارشادِ اعظم کی تکمیل میں جُٹ گئی۔ رسولوں کے جیتے جی خوش خبری یروشلم سے دُور کے ممالک تک پہنچی۔ تھوڑے سالوں کے اندر اندر کروڑوں نے المسیح پر ایمان لا کر بپتسمہ لیا۔ خوش خبری یروشلم کے مشرق میں ہندوستان اور چین تک اور مغرب میں اسپین تک پہنچ گئی۔ رسولوں نے انجیل کو مصر اور شمالی افریقہ تک بھی پہنچایا۔
افسوس کہ ماضی میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے خوش خبری کو جنگ و جدل اور تشدد کے ذریعے پھیلانے کی کوشش کی۔ مثلاً عیسائی فوجیوں نے یورپ میں کچھ علاقوں کو زبردستی سے عیسائی دین کے لئے جیت لیا۔ عیسائیوں کو دکھ ہے کہ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی فوجیوں سے بہت قتل و غارت ہوئی۔ یہ المسیح کے پیغام سے کہیں دُور ہے۔ جن سے یہ سرزد ہوا اُنہیں ارشادِ اعظم کی

سمجھ نہیں آئی تھی۔ ایسی حرکتوں سے اُمت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔

پھر بھی اکثر عیسائیوں نے امن و امان کے ساتھ خوش خبری دنیا میں پھیلائی ہے۔ اِن دنوں میں بے شمار عیسائی دنیا میں منادی کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں عیسائی جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ انجیل لے کر چلتے ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک کو مقامی جماعت کی طرف سے کسی دوسرے ملک میں بھیجا گیا ہے تاکہ انجیل کی منادی کریں۔ دیگر لوگ بیوپار کے لئے، پیشے کے لئے یا تعلیمی سبب سے جاتے ہیں۔ مگر جہاں بھی وہ جاتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ خوش خبری دوسروں تک پہنچائیں۔

بے شک اُمت کو یاد رکھنا ہے کہ انجیل کی منادی گھر سے ہی شروع ہوتی ہے۔ وفادار جماعتیں انجیل کی منادی سب سے پہلے اپنے پڑوسیوں میں کرتی ہیں۔ یہیں سے ارشادِ اعظم شروع ہوتا ہے۔ انجیل جلیل فرماتی ہے کہ اللہ کی مرضی ہے کہ تمام قومیں خوش خبری

سنیں اور اُن کے بیچ جماعتیں قائم ہو جائیں (متی 14:24؛ 16:28-20؛ اعمال 1:8؛ فلپیوں 2:9-11)۔

خلاصہ

اُمت اللہ کی بادشاہی کا نشان ہے۔ اُس کا مشن یہ ہے یہ وہ اقوام کے بیچ میں اللہ کی بادشاہی کی گواہی دے۔ یہ انجام دینے کے لئے وہ اُس خدمت کو جاری رکھتی ہے جو المسیح نے شروع کی۔ اِس خدمت میں رفاقت، خدمت اور خوش خبری سنانا شامل ہیں۔

انجیل جلیل کے مطابق آخرت کے دن المسیح جلال کے ساتھ زمین پر واپس آئیں گے۔ تب اللہ کی بادشاہی تکمیل پائے گی۔ اُس وقت تمام لوگوں کی عدالت کی جائے گی۔ جو اللہ کے تابع نہیں رہے ہوں گے وہ ابدی سزا پائیں گے۔ ساری زمین جاتی رہے گی۔

جنہوں نے اللہ کا فضل قبول کرکے اللہ کی بادشاہی میں شریک ہوئے ہیں وہ ابدی نجات پائیں گے۔ اللہ کی بادشاہی جو المسیح کی پہلی آمد سے شروع ہوئی وہ تکمیل پائے گی۔ آسمان اور زمین کے تمام باشندے تسلیم کریں گے کہ المسیح خداوند اور نجات دہندہ ہیں۔

یہ دنیا کے لئے اللہ کا منصوبہ ہے (مرقس 62:14؛ فلپیوں 2:9-11؛ مکاشفہ 11:20-15،1:21-8،22-27)۔

مسلمان کا جواب

مسلمان اور عیسائی دونوں ہی دنیا کو خوش خبری سنانے میں لگے ہیں۔ دونوں ہی سمجھتے ہیں کہ خدمت اور خاص کر مومنوں کی خدمت ایک بنیادی فرض ہے۔

لیکن یہ دونوں اپنے مشن کو فرق طور سے منظم کرتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ زیادہ تر انفرادی مسلمانوں کے ذریعے ہوئی ہے جن کے پاس روزی روٹی کے لئے محدود ذرائع ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مسلم خدمت میں ہسپتال، سڑکیں یا کانفرنس سنٹر جیسی چیزیں نظر نہیں آتیں۔ خاص طور پر اُن علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔مسلمان فطری طور سے آخرت کی زندگی کی اُتنی ہی فکر رکھتے ہیں جتنی کہ اِس دنیاوی زندگی کی۔

گو اسلام المسیح کی آمدِ ثانی مانتا ہے پھر بھی اُس کا اِس واقعے کے بارے میں خیال فرق ہے۔مسلمان مانتے ہیں کہ المسیح اِس

لئے زمین پر لوٹیں گے کہ عدالت سے پہلے ہی سچے اسلام کو مضبوط کریں۔

اختتام

اسلام اور عیسائی دین دونوں کے مشن کا نشانہ تمام دنیا ہے۔ اِس کتاب میں ہم نے مختصر طور پر دونوں مذہبوں کا مقابلہ کیا ہے۔

ہم جو مصنف ہیں اُن عقیدوں کے لئے شکر گزار ہیں جو مل کر رکھتے ہیں۔ ہم دونوں ہی حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کے نمونے پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے ایمان کی بنیاد نبیوں، رسولوں اور صحیفوں کی گواہی ہے۔ مکاشفہ انسان کا ایجاد نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا عدالت کی تکمیل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ہم دونوں قیامت مانتے ہیں۔ ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ یہ سب

کچھ اللہ کی طرف سے ہے جو کہ قادرِ مطلق، مافوق الفطرت، عادل اور تمام چیزوں کا خالق ہے۔ ہم متفق ہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم غیر مومنوں کو گواہی دے کر اُنہیں توبہ کرنے اور اُمت میں شامل ہو جانے کی دعوت دیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے گواہی دینے والی اُمت قائم کی ہے۔

تو بھی ہم یہ نظر انداز نہیں کرنا چاہتے کہ ہمارے ایمان کے کچھ پہلو فرق بھی ہیں۔ مسلم ایمان یہ ہے کہ قرآن شریف اللہ کی کامل مرضی کا آخری اور لاتبدیل مکاشفہ ہے۔ عیسائی ایمان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانی صورت میں اللہ کا زندہ کلام ہیں۔ مسلمان کے مطابق قرآن شریف سچائی کی کسوٹی ہے۔ عیسائی کے مطابق پوری کتابِ مقدّس جس کی تکمیل المسیح میں ہوئی سچائی کی کسوٹی ہے۔ لہٰذا جو کچھ مسلمان اور عیسائی انسان، خدا، نجات، ہدایت، راست بازی، مکاشفے، آخری عدالت اور اُمت کے بارے میں سوچتے ہیں وہ اِن فرق کسوٹیوں پر مبنی ہوتا ہے۔

ہماری بات چیت میں ہم نے محسوس کیا ہے کہ کچھ باتیں ہیں جن میں ہمارے ایمان مطابقت رکھتے ہیں۔ ہم اِس مطابقت کے لئے شکر گزر ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہمیں اِس کا احساس ہے کہ اہم فرق بھی پائے جاتے ہیں۔ اسلام اور عیسائی دین اِس بات پر متفق ہیں کہ اللہ رحیم و کریم ہے اور کہ وہ محبت رکھنے والا خدا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ انسان سے کتنا قریب آیا ہے۔ اللہ کس طرح اپنی محبت اور اپنے رحم کا اظہار کرتا ہے؟

اسلام میں اللہ کے رحم کا کامل اظہار ایک کامل شریعت سے ہوا ہے۔ عیسائی ایمان کے مطابق اللہ کی محبت کا کامل اظہار المسیح کی زندگی، صلیبی موت اور جی اٹھنے سے ہوا ہے۔ یہ سطحی فرق نہیں ہے۔ کوئی بھی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ فرق معمولی سا ہے۔

اِس بات پر ہم دونوں متفق ہیں: اللہ کی طرف سے منکشف ہوا کلام سچائی ہے۔ گو ہم اِس پر متفق ہیں، لیکن یہ ہمیں ایک دوسرے سے جدا بھی کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مکاشفے کا کلام بنیادی طور پر ایک کتاب ہے یا ایک شخص؟ یہ بات بحث کے ذریعے حل نہیں کی

جا سکتی۔ اِس قسم کا معاملہ صبر اور سننے کی تیاری اور ہر ایک اُمت کی گواہی طلب کرتا ہے۔

تاہم ہمیں یقین ہے کہ یہ فرق ہمیں بات چیت کرنے سے روکنا نہیں چاہیئے۔ اِس فرق سے ایسی نفرت پیدا نہیں ہونی چاہیئے کہ ہم اپنے بیچ میں دیوار کھڑی کرکے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں۔ اگر ہم سچ مچ سچائی کے متلاشی ہیں اور ایک دوسرے کو گہرائی سے سمجھنے کی چاہ رکھتے ہیں تو پھر ہماری آپس کی گفتگو جاری رکھنا ضروری ہے۔ یہ کتاب ایک تحریر شدہ گفتگو ہے۔ گفتگو کے دیگر طریقے بھی ضروری ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم اچھے ہم سائے بنے رہیں۔ ہمارے درمیان دوستی بڑھنی چاہیئے۔ ہم کو اللہ سے یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اے خدا! ہماری دونوں قوموں کے درمیان محبت کا پُل تعمیر کرنے میں ہماری مدد کر۔ لازم ہے کہ ہم محبت بھری بات چیت کرنا، ایک دوسرے کو معاف کرنا، ایک دوسرے کی عزت کرنا، اچھے پڑوسی بننا، ایک دوسرے کی بات سننا اور اچھی گواہی دینا سیکھ لیں۔ آمین۔